[illegible]

ماہوار

تمدن

نمبر ۵ [illegible]   اپریل [illegible]

مشرقی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ محمد عبد الراشد الخیری

فہرست مضامین

باہتمام محمد عبد الراشد الخیری

[illegible] اول ۸ [illegible] دوم ۸   تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا   قیمت فی پرچہ ۴ [illegible]

پاکیزہ علمی اور ادبی

مضامین پڑھنے والی بیبیوں نے اکثر پڑھا ہوگا

اور سنا بھی ہوگا کہ عرصہ دراز سے دہلی کے خاندانی اطبا کی زیر نگرانی دواخانہ

نور تن دہلی جاری ہے یہ دواخانہ عرب۔ عدن۔ افریقہ۔ امریکہ

لندن۔ آسٹریلیا وغیرہ وغیرہ ملکوں میں اپنے مفید مجربات کا سکہ جما چکا

دواخانہ نے حال میں چند جدید ادویہ و روغن تیار کئے ہیں انمیں سے ایک

روغن دل بہار گیسو دراز ہے

خوبصورتی بھی خدا نے عجیب چیز بنائی ہے اور اسپر لمبے اور خوشبودار بال تو غضب ہی

ڈھاتے ہیں ہمارا دل بہار دماغ کو خوشبو سے معطر کرتا ہے بالوں میں نرمی اور چمک

اور جلد میں مہک پیدا کر دیتا ہے اسکی خوشبو انسان کو از خود رفتہ کر دیتی ہے

قیمت

خوشبودار سپاریاں

یہ چھالیہ دانتوں کو مضبوط گلے کو صاف منہ کو معطر کرتی ہے دو چار سپاریاں کھا لو

منہ میں عجیب خوشبو ہو جاتی ہے محفل کا سنگھار ہے قیمت فی ڈبیہ ۳ رفی درجن

خضاب لاجواب

یہ عرق چند منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ کر دیتا ہے جلد پر داغ دھبہ نہیں ڈالتا

سفر حضر سردی گرمی میں بلا تکلف استعمال ہوتا ہے قیمت فی شیشی سہ برش ایک روپیہ

خمیرہ جواہر والا

دل اور دماغ اور بصر و قلب کو قوت دیتا ہے خفقان کو زائل کرتا ہے قوت

حافظہ کو بڑھاتا ہے کمزوری اعضاء کو دور کرتا ہے۔ فی بکس ۱۰ تولہ

المشتہر حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نور تن دہلی

تمدّن

قنبر

۔ جمہ کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا۔ کہ وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی روتی تھی دفور الم کی وجہ سے اپنے گالوں کو نوچ نوچ کر رہی تھی۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہتی جاتی تھی "حسن۔ مرگیا۔ دُنیا کی ہوا ! اُسنے کیوں راس نہ آئی تو کیا مجھ سے ناخوش ہوگیا۔ ناخوشی کی وجہ ؟ نہیں ! نہیں ! وُہ زندہ ہے ! اور ہے ! اوسکی خبر مرگ غلط ! اور بالکل غلط !"

اسکے بعد ناقابل برداشت رقت نے اوسکی آواز بند کر دی۔ اور وہ پھر رونے لگی۔ عرفجہ یہ تمام ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اور ششدر و حیران تھا ولیں اس نے شرم و حجاب بالاے طاق رکھدیا۔ خیر جگہ اسنے آدمی سُنیں گے تو کیا سمجھیں گے۔ اچھا اب اس کے تبادلہ خیالات کی کوئی صورت ہونی چاہیے [illegible] تو سمجھے ! یہ منصوبہ بچار کر اس نے سمیہ کی طرف [illegible] دیکھا۔ گویا [illegible] کے [illegible] اوسکی [illegible] ملامت ہیں۔

اور کہنے لگا "تیرا خیال ہے کہ شاید میں غلط کہہ رہا ہوں مگر تو خوب سمجھتی ہے کہ جھوٹ کی مطلقاً مجھے عادت نہیں، اسے یقین جان کہ حسن کا چراغ زندگی مدینہ سے نکلتے ہی خاموش ہوگیا۔ اب وہ کسی طرح مر کر بھی نہیں سکتا۔ اوسکے ساتھ اپنی جان کو ہلاک کرنا منظور ہے تو یہ اختیاری امر ہے"

اس طنزیہ کلام کو سُنکر سمیہ کی طبیعت قابو سے جاتی رہی اور کڑی زبان میں "بے شک۔ مجھے بھی اب موت ہی چاہیئے۔ کیونکہ حسن کے بعد جینے کا اب مجھے کوئی مزہ نہیں۔ فریب و دغا سے اوس کی جان لینے والوں کو خدا اپنے پنجۂ غضب میں گرفتار کرے، جس طرح ایک بیگناہ کے خون میں تو نے اپنے ہاتھ آغشتہ کیے۔ کیوں میرا کام بھی جلدی سے نہیں کام کرتا۔ میں اپنا خون تجھے بحل کرتی ہوں بشرطیکہ تو میری مشکل کو جلد آسان کر دے" اتنا کہنے کے بعد پھر سیل اشک اوسکی آنکھوں سے رواں ہوگیا اور وہ زار زار رونے لگی۔ عروہ نے اپنے منصوبہ کا برعکس نتیجہ دیکھکر فہمایش و دلدہی کے لہجہ میں مخاطب کر کے کہا "جان پدر تو اسے یقین کر کہ حسن کو میں نے اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا۔ البتہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے اس نتیجہ کو پہونچا۔ اب رونے سے اور فضول اپنی جان کھونے سے حاصل، شکر کر کہ اوسکی حیات نے قبل اس کے اوس سے بیوفائی کی کہ تیرے اور اوسکے درمیان کوئی رشتہ قائم ہو۔ ورنہ آج جو عزت تجھے حجاج کی نظروں میں حاصل ہوگی وہ اُس صورت میں . . . .

سمیہ (غضبناک ہو کر) : "کبھی اور شفقتگی سے قطع کلام کر کے) یہ حجاج روسیاہ کون؟ میرے درمیان اوسکا کیا دخل؟ میں حسن کے سوا کسی کی صورت تک نہیں دیکھ سکتی۔ جو میرا حبیب تھا۔ اور جس سے زندگی و موت کا تعلق تھا۔ اگر

[illegible] ۔۔۔ رہا ہو کچھ سوچا اور آنکھ بند کر [illegible]

حسن مرا نہیں، وہ زندہ ہے۔ البتہ وہ ایسی جا سے امن میں ہے
ظالموں کا دستِ تظلم اب اُسے کوئی گزند نہیں پہونچا سکتا۔
عرفجہ۔ اچھا یوں اُسکے قتل ہو جانے کا یقین نہیں کرتی۔ اوسکی لاش دیکھکر
تو یقین لائے گی۔
یہہ بات سنتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑی۔ اور کہنے لگی۔
"اُس کے دشمنوں کی لاش میں دیکھوں، اے خالق و مالک! تیری ہی فریاد ہے:
اے ظالم! کاش! تو اس کے ساتھ میری جان بھی لے لیتا۔ اور اس تلخی کی زیست
سے مجھے رہائی دلاتا۔ تو نے اپنے محسن کے جان لینے میں جب دریغ نہ کیا جسنے
تجھے اور تیرے اہلِ بیت کو پنجۂ موت سے چھڑایا تھا۔ تو میرے قتل میں کیوں
باک کرتا ہے۔ وَیْلٌ لَکَ مِنْ مَشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْم"
عرفجہ مغلوب الغضب اور تند خو جن وجوہ مصالح کے لحاظ سے اب تک ضبط کو
کام میں لا رہا تھا آخری کلمات تو بیخ سنکر باوجود وہی مصالح اب بھی قائل لحاظ تھے
کے بھی ضبط پر قدرت نہ رکھ سکا۔ نخوت پیچ و تاب کھا کے تھرتھرا تی ہوئی گرجدار
آواز میں کہا "خاموش! نابکار! باپ کے منہ لگنے کا یہی طریقہ ہے۔ واللہ واللہ اگر
فرزندی کی حرمت اور تیری بے بسی کا خیال نہ ہوتا تو ابھی تیرا قصہ پاک کر دیا جاتا
خیر! ایک مرتبہ اور تجھے اپنے ہاتھ دیدار بار سے کہو۔ پیشتر کہ موقعہ جاتا رہے
اس کے بعد بھی اگر تو اپنی ہٹ سے باز نہ آئی تو تُو ہے۔ اور یہ خنجر۔ آخری فقرہ
ادا کرتے ہوئے اُس نے اپنی کمر سے ایک چمکتا ہوا خنجر نکالکر دستے کو پکڑ کر جھٹکا
جنبش دی۔ جو برق سا چمک رہا تھا گر اس سے بیچاری کے اسکے وہ کسی قسم کا خوف:
اثر ہوا اُس نے بے پروائی سے اپنے و حیلہ کرتی ہوئی تمکنت کر کہا بعد گو یا میں موت
سے ڈر جاؤنگی۔ مجھے قسم ہے کہ اس خنجر کو میرے سینہ تک پہونچنے کے ابھی کا

میرا دونوں کا کام پورا کر دے کیونکہ حسن کے بعد دُنیا اب میرے لئے بمنزلہ دوزخ کے ہے۔ اور اوسکا عذاب زندگانی ہے۔ اس سے اگر کوئی سبیل نجات ہے تو وہ موت ہے" یہہ کہتے ہوئے وہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ دماغ اور دل کے غیر معمولی تاثرات نے اوسکے چہرہ پر بھی غم و تفکر کے آثار نمایاں کر دئے تھے۔

عرفجہ نے پھر درشت لہجہ میں کہا "کیوں؟ جو مشقتیں میں نے تیری غور پرداخت میں اٹھائیں اور جو تکلیفیں برداشت کیں۔ اب برابر ہوئے پر مجھ سے اوسکا یہی صلہ ملنے والا تھا۔ کمبخت! بے شک تو گردن زدنی ہے۔ اگرچہ تیرے ناپاک خون سے میں اپنے ہاتھ ملوث نہ کرونگا مگر انواع و اقسام کے اذیتیں جنکا آج تک تیرے سوا کسی پر امتحان نہوا ہوگا وہ جلد تر تیری زندگی کا خاتمہ کر کے رہیں گے" بات پوری کر کے بلند آواز سے "قنبر" ! ادھر آ زبان سے یہہ لفظ نکلا تھا کہ فی الفور ایک شب منظر حبشی غلام سامنے آ موجود ہوا۔ جس نے گردن جھکا کر نہایت انقیاد کے لہجہ میں کہا "لبیک یا مولائی" (دیکھئے آقا غلام حاضر ہے) جسے حکم دیا گیا کہ سمیہ کے ہاتھ پیر خوب کس کر رسیوں سے جکڑ دئے جائیں، اور کہا کہ "اس روگردانی و انحراف کی پاداش میں آیندہ قطعاً کوئی ملائم برتاؤ اس کے مقابلہ میں روا نہ رکھا جائے گا" یہہ حکم سنتے ہی قنبر سمیہ کی طرف تعمیل حکم کے لئے بڑھا۔ اُسنے قریب آتا دیکھکر سمیہ کے دل و دماغ میں غیرت و حمیت کا ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ جس نے اوس میں قوت اور قوت کے ساتھ سیماب داری پیدا کر دی۔ وہ اپنی جگہ سے ایک فوری جست کے ساتھ دور جا کھڑی ہوئی اور ڈپٹ کر کہا "دور ہو سامنے سے! منحوس، خبردار،

مگر غلام نے اِس کی جھڑکی کو نہایت لاپروائی سے
اور اپنی جیب سے رسی نکالتے ہوئے جو پہلے سے شاید
سے رکھ لیگئی تھی دوبارہ اُسکی طرف بڑہا۔ اور اُس کے
تھ تھام لئے جس کے چھڑانے کی غضبناک دماغی قوت
اوس نے کوشش کی۔ مگر آخر عورت ذات تھی قوی الجثہ
غلام سے کسی طرح اوس کی پیش نہ گئی۔ اور بالآخر بہزار خرابی اُس
نے اوس کے ہاتھوں کو رسیوں سے جکڑ بھی دیا۔
غریب سمیہ بہت چیخی چلائی۔ ہاتھوں کو باندھکر اوس کے جسم
خیمہ کی چوب سے باندھنا چاہتا تھا کہ یہہ اوسکی گرفت سے
کر بھاگی۔ مگر بدحواسی میں خیمہ کی چوب کی اِس زور سے ٹکر
کر گر کر بے ہوش ہوگئی۔ غلام کو پورا موقعہ ہاتھ آیا۔ اور اُس نے
طرح سے اوسکا سارا جسم رسیوں سے کسکر باندھ دیا۔

(۳۹)

سب ساتھ والے اِس تمام ماجرے کو سکوت اور حیرت سے
اور خموش رہے تھے۔ مگر عرفجہ کی سخت مزاجی کی ہیبت ایسی غالب
کسی کو قریب جانے یا دخل دینے کی جرأت نہوتی تھی۔ بااینہمہ
عذرا سے صبر نہوسکا۔ وہ خیمہ کے قریب ایک خرمہ کے درخت
سے تمام کیفیت دیکھنے اور سُننے لگی۔
یہاں تک کہ جب خیمہ کی چوب سے سمیہ کے ٹکرا کر گرنے کی آواز آئی۔
پھر اوس کے بعد بالکل خاموش ہوئی۔
[illegible] بری فرمان کو وہ پہلے ہی سُن چکی تھی۔ اب اوس سے [illegible] طرح

صبر نہو سکا، جوشش جان نثاری سے بے چین ہوکر، اور عرفجہ کے خوف و وحشت کو تھوڑی دیر کے لئے بالائے طاق رکھکر وہ درآتی ہوئی خیمہ کے اندر چلی گئی۔ اور ہاتھ جوڑ کر نہایت الحاح کے ساتھ عرفجہ سے کہنے لگی۔

"متعجب ہے کہ حضور نے میری سیدہ و مالکہ کو عدول حکمی کا مرتکب سمجھ کے تعزیر فرما دی، حالانکہ یہہ جسارت صاحبزادی سے صرف نا پروری اور بے نہایت شفقتوں کی بنا پر ہوئی۔ جو صرف بچپن کی ایک معصومانہ ادا ہے، بھلا یہ ممکن ہے کہ آپ کسی امر کو چاہیں، اور اس سے اونکو واقعتہً انکار ہو۔ یا تعمیل میں عذر، مگر ہر وقت انسان کا دماغ یکساں نہیں رہتا۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض وقت سیدھی سی بات کا اثر انسان کے خیال پر اُلٹا پڑتا ہے، جس امر خاص کے متعلق حضو اسقدر برہمی اور غصہ و گرمی کی زحمت گوارا فرمانی پڑی، لونڈی سے ارشاد فرمائیں، اگر انکار کی نوبت آئی تو اس کنیز کا سر قلم کر لیا جائے۔

سمیہ پر جبر و سختی کرنے سے عرفجہ کا منشا یہ تھا کہ وہ مخوف ہو اور رُعب میں آکے حجاج سے عقد پر راضی ہو جائے۔ تاکہ حجاج کو شادکامی و مقصدوری کے منزل پر پہونچا کر عرفجہ کو اوس سے ا۔ منافع ذاتی کا خراج وصول کرنے کا موقعہ ملے۔

کسی پچھلے باب میں ہم ابھی بتا آئے ہیں کہ عرفجہ صبا نہایت بدطینت و بدسرشت، جاہ و دولت، زرپرست، اغراض ذاتی پر حقیقی عزت و غیرت کو قربان کرنے والا واقع ہوا تھا۔ پس حجاج سے رشتہ جا

اور ایسے ناشدنی اور منحوس متنفس کے ناپاک ذوق وشوق پر اپنی ماہ طلعت، عقل وہنر میں عدیم المثال لڑکی کی بھینٹ چڑھا کر وہ متوقعہ فتوحات سے جلد متمتع ہونا چاہتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ حجاج سمیہ کا نادیدہ مفتوں وشیدا ہے۔ پس اوس کی خریداری میں حجاج مہر کے نام سے آخری سوال المساعت کرنے اندازہ وشمار سے افزوں رقم کی پیشکش میں بھی دریغ نہیں کرے گا۔ مگر سمیہ پر اسوقت علانیہ جبر وسختی میں اُسے خیال مانع آتا تھا، وہ بھی کہ مدینہ کے اونچے اور محترم گھرانوں کی ذی وقار خواتین اوس پر خاص لطف وکرم فرماتی ہیں، اور نہیں سمیہ پر کسی جبرو سختی یا دباؤ پڑنے کا حال معلوم ہوا، تو یہاں سے حریم خلافت تک اِس بات کا غلغلہ بلند ہوئے بغیر نہ رہیگا، اور اوسوقت اچھے اور بُرے دونوں قسم کے نتائج کا احتمال ہے۔

ادھر حسن کی ریشہ دوانیوں کا بھی کھٹکا تھا، مگر حسن کی ذات کا کانٹا اوس کے قتل کی سازش کو کامیاب سمجھنے کی وجہ سے نکل گیا تھا، یہہ بھی خیال تھا، حجاج سے سمیہ کا تنفر اِس واقعہ سے یقیناً اوس حد کا نہ رہ جائیگا +

غزل

عالی ندوی

یاد حق چھوڑکے اب عشق بتاں کی ٹھہری — دل بیتاب کہاں سے یہ کہاں کی ٹھہری

جب خموشی نے بہت بات بگاڑی اپنی — نگہ یاس سے کچھ حسن بیاں کی ٹھہری

اپنے کوچے سے وہ اٹھوائیگا مجھکو تو ساتھ — دل بیصبر اگر آہ و فغاں کی ٹھہری

در میخانہ پہ خوش ہو کے لگایا بستر — ہم جو کعبے سے پھرے یاد بتاں کی ٹھہری

[illegible] ظرف دیکھے تو بہت اسنے بلانوشوں کے — آکے بسط پہ نظر پیر مغاں کی ٹھہری

مثنوی ناز و نیاز

عشق کی مجھ سے پوچھو کچھ بات — عشق سے بامزہ ہے موت و حیات
عشق میں لوگوں نے جانیں دی ہیں — تلخیاں عشق کی کیا شیریں ہیں
عشق سمجھو تو عجب ہے کچھ چیز — درد و داغ اسکے بھی کتنے ہیں عزیز
عاقلوں سے ہے بہت عشق نفور — عقل سمجھے اُسے کب ہے یہ شعور
یار اس کے سبھی سودائی ہیں — ساکن کوچۂ رسوائی ہیں
پیرہن کے نہیں پابند اسیر — کفنی پھاڑتے ہیں اس کے فقیر
کچھ لباس ہی نہیں زیبائے عشق — خاک ہے جامۂ رعنائے عشق
عشق کا مرتبہ ہے بسکہ بسیط — کب قیاس و خرد اسپر ہوں محیط
ہے نہ جینا ہی حلاوت کے ساتھ — مرگ بھی اس میں ہے قدرت کے ساتھ
عشق کا رنج ہے راحت کا رشک — اسکی تلخی ہے حلاوت کا رشک
ایک ہی دل میں چھپا رکھنے کی گوں — ایک چھاتی سے لگا رکھنے کی گود
اُن سے ہے جو وحشی ہیں مانوس ہے عشق — آتش خرمن ناموس ہے عشق
انکا سامان ہے بے سامانی — تن پہ ہے پیرہن عریانی
کارپرداز جنوں ہے اسکا — محرم راز جنوں ہے اسکا
ربط رکھتا ہے دیوانوں سے — راہ اسے چاک گریبانوں سے
جسنے کچھ بھی اسے پہچانا ہے — وہ سڑی خبطی ہے دیوانہ ہے

افسانۂ عبرت ۱

ایک یتیم بچہ اپنے باپ کی قبر پر

ایکدن گورِ غریباں میں ہوا میرا گذر / واں کئی داغ ابھرے ہوئے دیکھے بساطِ خاک پر
سینکڑوں ہی تھیں جابجا ٹوٹی ہوئی قبریں پڑی / عالمِ اسباب کی نیرنگیوں کو دیکھکر
آرہی تھی ہر طرف سے بوئے چراغِ کشتہ کی / اُف اعاذ اللہ وہ عالم کہ ٹکڑے ہو جگر
انکی قبروں پہ کہ جو تھے مجلس آرائے وجود / شمع روشن تھی نہ تھی اک چادرِ گلہائے تر
رو رہی تھیں صرف ناکامی پہ انکی حسرتیں / کوئی ماتم کرنیوالا تھا نہ کوئی نوحہ گر
ہر طرف تھا ایک ہیبت ناک عبرت کا خروش / اک ادائے خامشی چھائی ہوئی تھی شمع پر
ہُو کا عالم اور بھیانک رات اور وہ بیکسی / ہلگیا دل عالمِ گورِ غریباں دیکھکر
ایک سناٹا سا میرے دلمیں پیدا ہوگیا / اُف یہ وحشتناک قبریں اور یہ منظر الحذر
بیکسی کھینچے لیے جاتی تھی مجکو اُسطرف / گونجتی تھی پردۂ ظلمت میں خاموشی جدھر
خونِ دل بہنے لگا آنکھوں سے دھیان آیا مجھے / دفن اسی عبرت سرا میں ہے مرا مشفق پدر
یہ خیال آتے ہی دوڑا ایک تربت کی طرف / فاتحہ پڑھنے کو تنہا۔ خاک بر سر نوحہ گر
قبر کی آیات کو دی جذبِ دل نے زندگی / خاک میں جنبش اُدھر تھی ہل رہا تھا دل اِدھر
دونو کانوں میں بھرا تھا نغمۂ سوز و گداز / دونو آنکھوں سے رواں تھا دجلۂ خونِ جگر
ننھے ننھے ہاتھ اپنے قبر پر رکھے ہوئے / پڑھ رہا تھا سورۂ الحمد میں با چشمِ تر
دفعتاً اُمڈا جو دل رو رو کے میں کہنے لگا / مجھسے اے بابا خفا تم ہوگئے کیوں اسقدر
کیا سبب ہے کونسی مجبوریاں درپیش ہیں / اتنی رات آئی ہے اور ابتک نہیں چلتے ہو گھر

سو رہے ہیں اپنے اپنے آشیانوں میں پرند ، زمزمے کرتے نہیں اسوقت مرغانِ سحر
ہائے یہ عالم کہ دنیا کر رہی ہو سائیں سائیں ، اور اکیلا رو رہا ہوں میں تمہاری قبر پر
ہر طرف سے یہ درندوں کی صدائیں [illegible] ، یہ ڈراونی رات یہ قبریں یہ جنگل پرخطر
تم نے چھوڑا تھا کبھی تنہا مجھے ایسی جگہ؟ ، گود میں لیلو مجھے معلوم اب ہوتا ہے ڈر
آسماں پر ایک سناٹا سا ہے چھایا ہوا ، ڈوبتے تاروں سے پیدا ہیں کچھ آثار سحر
ڈوبتے تارو! ذرا مجکو تمہیں تعلیم دو ، ضبط میں کیونکر کروں آنسو یہ عالم دیکھکر
اے ہوائے سرد کے جھونکو! تمہیں کہتے چلو ، طول غم میں یہ ٹھنڈی سانسیں کسطرح ہوں مختصر
خاک قبرستاں گواہی دے تو ہی اس بات کی ، میرا دل ویران زیادہ ہے کہ یہ تیرا کھنڈر؟
میرے بابا میری ایسی کہہ رہے ہیں سب کے سب ، اب بھی رحم آتا نہیں ہے تمکو میرے حال پر
شمع و گل ممکن نہیں بابا بہت نادار ہوں ، دل کی آہیں شعلہ زن ہیں خونفشاں ہے چشم تر
تازہ گل لاؤں کہاں سے آہ! تربت کیلئے ، پھول سے رخسار میں رکھے ہوئے ہوں قبر پر
اے مرے مجبور باپ اے ساکنِ ایوانِ خاک ، اس خرابہ میں بھلا کسطرح کرتے ہو بسر
میں ہوں اے بابا وہی پروردۂ آغوشِ ناز ، لیکے سینہ پر جسے سوتے تھے اپنے رات بھر
کیوں کفن میں منہ چھپایا میں وہی محروس ہوں ، دیکھتے تھے میرا منھ تم جھکے ہنگام سحر
منتوں پر منتیں تھیں میرے جینے کیلئے ، تھیں دعاؤں پر دعائیں تا نہ لگ جائے نظر
منع کر دیتے تھے فوراً تم اشارہ سے ہمیں ، غیر الفت سے بھی کوئی چھیڑ دیتا تھا اگر
اب وہی ہم ہیں کہ مانگیں بھی تو مل سکتا نہیں ، مر گئے تم جب سے ہم پر ہے حقارت کی نظر
چلوؤں خون آپکا بڑھتا تھا بابا تم نے مری ، گود میں مجکو لیے پھرتے تھے آپ شوق سے
خیر اے بابا ذرا یہ بات بھی رکھیے گا یاد ، آج بابا تو نکا مرے لیتے نہیں کچھ آپ اثر
روٹھکر اٹھا ہی تھا چلا کے بیٹی روتا ہوا ، قبر سے آواز آئی اے مرے نور نظر
میں فدا تجھ پر ارے یہ کیا غضب تو نے کیا ، [illegible] میں آتا ہے کوئی باپ پر

اے مرے نازوں کے پلے میں عجب عالم میں ہوں
گود میں لیکر تجھے کس طرح پہونچاؤں گھر

آہ اے معصوم بچے کیا کروں مجبور ہوں
تیری ان باتوں سے ٹکڑے ہو گئے قلب و جگر

ہائے ظالم موت تو نے کیا ستم مجھ پر کیا
تیرے بچے ہو گئے یوں تیرے ہاتھوں دربدر

تو یہاں آیا کسی نے تجھکو روکا بھی نہیں
تیرے مرتے ہی ہوئے ایسے اعزا بے خبر

قوم بھی تیری خبر گیری نہیں کرتی ہے کیا
میرے بچوں ہوتی ہے کیا اب فقر و فاقہ میں بسر

جانے دنیا سے میں کیا کیا حسرتیں لیکر اٹھا
تیرا سہرا بھی نہ دیکھا بیٹے اے لخت جگر

سخت مجبوری ہے بیٹا ہم کہاں اب تم کہاں
گھر سدھارو گھر سدھارو وقت ہے یہ جلد تر

میں بھی زندہ ہوں خدا تجھکو اگر زندہ رکھے
شاد رہ تو اے مرے نخل تمنا کے ثمر

جا مری جان جا بس اتنا روح کو صدمہ نہ دے
پھر کبھی آنا مگر تنہا نہ آنا اے پسر

یاد رکھ میری وصیت اے نہال آرزو
قوم کی حلقہ بگوشی میں بسر کر عمر بھر

ہے تری وابستگی اُس سے مرا قومی شرف
چھوڑنا دامن نہ اُنکا وہ چھڑائیں بھی اگر

تیری ذلت بھی اگر ہو اُسکو عزت جاننا
زندگی کرنا بہر نوع اُنکی خدمت میں بسر

جتنی باتیں ہیں یہ اعجاز محبت سے کہیں
قوم سے کہنا مری جانب سے اے نور نظر

ہو عزیزو نکتہ پرور کی زبانی یہ پیام
وہ بہت روتا ہے خلوت میں تمہارے حال پر

سبکو پڑھ کر تم سنا دینا میرا یہ خط شوق
مجتمع ہو قوم جب جلسہ میں ایکدن پر

السلام اے ساکنان بزم ہستی السلام
اُس جگہ ہم ہیں کہ تم سے کر نہیں سکتے کلام

تھے کبھی اس بزم میں تم سب کے سب گرم سخن
ہو گئے ہیں آج مجبوری سے ہم بے صبر و دہن

کس طرح آکر ملیں ہم آ نہیں سکتے یہاں
دور ہیں تم سے بہت اب ہم کہاں اور تم کہاں

ہو مبارک تمکو اس دنیا کا منظر دیکھنا
جب کبھی فرصت ملے ہمکو بھی مڑ کر دیکھنا

ساز و برگ عالم ہستی وہی ہے یا نہیں
یہ بتاؤ یاد کرتے ہو ہمیں بھی یا نہیں

دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگ دنیا ہو گیا　　ہائے کیا تھے کیا ہوئے ہم یہاں کیا ہو گیا
خواب غفلت و مستی کا جادو برق آگیا　　آنکھ جب کھولی تو دیکھا وہ کہیں ہیں تم کہاں
[illegible]　　[illegible]
[illegible]　　[illegible]
باعث آرام جاں رشتہ مہر و محبت تھا　　[illegible] زندگانی تھا
میں جہاں [illegible]　　[illegible] حائل ہو گیا

میرے رشتے سے کھنچا ہے مگر مجھ کو غلام
اس سے زائد کچھ نہیں کہنا ہے مجھکو والسلام

عدالت علی

مرزا محمد ہادی عزیز

غلام کون تھا؟

ایکدن دار القضا میں آئے یوں دو مستغیث　　عبد آقا کو بتاتا تھا یہ ہے میرا غلام
اور آقا مدعی اسکا یہ میرا زر خرید　　دونوں دعووں پر گواہوں کی نہایت اہتمام
محو حیرت ہو گیا دار العدالت میں ہر ایک　　حکم فرماتے ہوئے دونوں کو یہ شہ نے امام
سر نکالو اپنے دار الشرع کی کھڑکی سے تم　　امر حق ظاہر ہوا جاتا ہے اب میں الانام
کہکے یہ قنبر سے پھر ارشاد فرمایا کہ ہاں　　عبد کی گردن اڑا دے لے کے تیغ بے نیام
تولکر تلوار قنبر نے بڑھایا جب قدم　　کھینچکر جلدی سے گردن کو نکل بھاگا غلام
سرنگوں آقا رہا اک شان استقلال سے　　جس سے ظاہر ہو گیا تھا وہ سچا ہے تمام

اس قضیہ کی حقیقت پر نظر ڈالیں عزیز
جنکو علم النفس سے دنیا میں ہے ذوق تمام

میر صاحب

(۱)

یوں تو مرزا نوشہ کا زمانہ اُن کی آنکھ بند ہوتے ہی شمع شب رفتہ کی طرح گل ہو گیا، تاہم کل تک اُس اُجڑی ہوئی محفل کی دو چار صورتیں موجود تھیں۔ ع صحبتوں اور جلسوں کو درہم و برہم ہوئے زمانہ ہو چکا مگر میر مہدی مجروح اور میر نصاحب کے دم سے اُن دنوں کی یاد ہنوز تازہ تھی۔ سو میر مہدی مجروح کو رحلت کئے آج چھ یا سات برس ہو لئے اور ۲۹ جنوری سنہ [illegible] عیسویہ کی صبح کو میر نصاحب بھی راہی ملک بقا ہوئے اور اُنکے ساتھ ہی مرزا اسد اللہ خاں غالب کے زمانہ کا دفتر بھی سطے ہو گیا۔ مرزا کے ہم جلیسوں میں سے ممکن ہے ابھی اور لوگ زندہ ہوں اور یوں تو جناب مولانا الطاف حسین حالی صاحب کی ذات مغتنمات میں سے ہے اور مرزا کی یاد اُنکے دم اور یادگار غالب سے قائم ہے۔ مگر میر نصاحب کہاں۔ جہاں اُردو کے چرچے ہیں وہاں غالب بھی موجود ہیں اور جو غالب کے کلام سے آشنا ہیں وہ میر نصاحب کے نام سے لاعلم نہیں۔ جب تک اُردوئے معلیٰ کے مکتوبات باقی ہیں میر نصاحب کا نام بھی باقی رہے گا۔

میر نصاحب حضرت مرزا کے ہم جلیس ہونے کے لحاظ سے ہی [illegible] تھے بلکہ اسکے علاوہ غدر سے پہلے کے بزرگوں اور قلعہ کے لوگوں [illegible] وضع قطع۔ بات چیت حسنِ اخلاق۔ آدابِ صحبت غرضکہ [illegible] گزرے زمانہ کی یادگار تھے۔ بات بات میں صفائی

پابندی اور ہر کلمہ میں بات کا پاس۔ صورت شکل میں بھی کسی زمانہ میں نہایت خوبرو و دجیہ نوجوان ہونگے جس کے آثار آخر دم تک انکے چہرہ سے عیاں تھے۔ نقشہ و نگار نہایت سلیس اور جبین کی فراخی شرافت کی شاہد۔ آنکھ بڑی اور خوبصورت تھی۔ رنگ کبھی کھلا ہوا ہوگا مگر اب بوجہ ضعیفی اور بہجوم امراض سانولا ہوگیا تھا۔ پُرانی وضع کے مطابق ڈاڑھی چڑھی رکھتے تھے۔ قلعہ کے قطع و برید کا انگرکھا زیب تن۔ سر پر گول سوزنی کی یا کمڑاہی ہوئی ٹوپی۔ اور پیرہن ہمیشہ حاشیہ دار سلیم شاہی جوڑا۔ کاہی پر انگرکھے پر صدری۔ سیدھا تنگ پائجامہ۔ اور یا تو کندھے پر ایک بڑا سا رومال۔ یا بغل میں پُرانی وضع کے مطابق دوپٹہ اور اکثر ہاتھ میں چھڑی ہوا کرتی تھی۔ اِس آخری زمانہ میں ضعیفی سے کمر جھک گئی تھی۔ مگر اللہ رے پابندی وضع اگر لال دروازہ سے تیسرے چوتھے کا چوڑیوالوں کا پھیرا تھا تو وہ نہ ناغہ ہوتا تھا۔ اور اگر دوسرے تیسرے روز کا مٹیا محل کا قاعدہ تھا تو اسمیں نہ فرق آتا تھا۔ ایسا پاس وضع اِس زمانہ میں عنقا ہے۔ جو راہ و رسم دوستوں سے تھی اس میں بل نہ آنے دیتے تھے اور جس محبت و اُلفت کے عزیز مستحق تھے اسمیں کوتاہی نہ ہوتی تھی۔ جس قاعدہ اور قرینہ کے اوّل دن سے پابند تھے اس میں سرِ مُو فرق نہ ہونے پاتا تھا۔

اِس زمانہ کے چھچوری مُرت پھُرت اور شب و روز کی توچل میں آیا سے بے حد نالاں تھے۔ اور شاکی تھے کہ اس زمانہ کے تعلیم نہ بڑے کا ادب سکھاتی ہے نہ چھوٹے کا لحاظ۔ لوگوں کی کم بضاعتیِ اخلاق اور زمانہ کے مصنوعی طمطراق سے قطعی ناخوش تھے۔ اور اپنے زمانہ کے

خلوص پابندیٔ وضع۔ اور صدق دلی کے نوحہ گر۔ کہا کرتے ستے۔ وہ جانی اب وہ زمانے کہاں۔ اور اب وہ باتیں کہاں۔ نہ وہ دلّی ہے اب اور نہ وہ لوگ ہیں۔ غدر سے پہلے یہ دہلی تھوڑی تھی جو آج ہے۔ اسے لو وہ اب چاندنی چوک میں نہر کہاں ہے۔ اور وہ حوض کہاں ہے جس کی جگہ اب وہ تھا اگمنڈ گھر ہے۔ پھر وہ صحبتیں کہاں اور وہ پہلے لوگ اور انکے اخلاق کہاں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میر نصاحب کی گفتگو سنکر مرزا کے زمانہ کی روح تازہ ہوجاتی تھی اور نہ صرف اس زمانہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا بلکہ ان لوگوں کی بات چیت کا بھی مزہ آجاتا تھا۔ صد حیف آج میر نصاحب بھی فسانہ ہو گئے۔ مگر کون رہا ہے اور کون رہجائے گا۔ مگر انکی ساتھ ہی اُس پُرانے زمانہ کی طرز تعلیم کی حلاوت اور چاشنی بھی اب ختم ہے۔ اس زمانہ میں نہ وہ سادگی و خلوص ہے اور نہ وہ لب و لہجہ۔ اِدھر تو غیر زبانوں اور باہر کے لوگوں کا میل ہوا اُدھر جدید تہذیب اور نئی روشنی کی عنایت سے جو رہی سہی باتیں تھیں وہ بھی عنقا ہوگئیں جب کبھی جدید ترقی و تہذیب کا ذکر آتا تھا تو اکراہ سے کہا کرتے تھے کہ ہاں ہوگی۔ باقی یوں اب ریل اور برقی روشنی اور برقی تار وغیرہ کے عادی ہو گئے تھے۔ بالعموم میر نصاحب کی باتوں میں ایک بھولاپن ہوتا تھا جو بد قسمتی سے اِس زمانہ کے بچوں میں بھی مفقود ہے۔ اور جو اس دور کے لوگوں میں عام طور پر پایا جاتا تھا۔

جب کبھی غالب کا ذکر آجاتا تھا۔ نہایت ادب سے نام لیتے اور ذرا کہا کرتے تھے۔ مگر سلطان پسندی زمانہ کے ہمیشہ شاکی تھے ذاتی تعلقات کی یہ نسبت تھی کہ اُپنے ... تو عزیز وہ عزیزوں کے دوستوں

اور دوستوں کے عزیزوں سے بھی وہی خلوص کا برتاؤ رکھتے تھے۔ اور اگر کسی اس زمانہ والے میں پرانی اخلاق یا حسنِ آداب کی جھلک بھی پاتے تھے تو خاص ملاطفت و اُنسیت سے پیش آتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ مایہ فی زمانہ گراں ہے۔

مرزا کی دوستی پر بجا ناز تھا۔ اور مرزا کے خطوط حرزِ جان رکھے۔ خود بھی شعر و سخن سے خاص شوق تھا اور شعر کہتے بھی تھے۔ مگر بجز انکے احباب خاص کے اور کسی نے نہ آجتک انکا کلام دیکھا نہ سُنا۔ مگر انکے خطوط میں ضرور مرزا کا طرز نمایاں تھا اور روشِ تحریر میں اُردوئے مُعلّیٰ کی چاشنی موجود تھی۔ انکے نبیرہ سید محمد رؤف علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا دہلی پر علمی دنیا کا فرض ہے کہ وہ میر نصاحب کے خط اور انکے کلام کے ذخیرہ سے دنیا کو محروم نہ رکھیں۔ نیز انکے نانا صاحب مرحوم کے متعلق جو بھی قلم سے نکلیگا قابل قدر ہوگا+

(۳)

گذشتہ سال جب میر نصاحب زندہ تھے ایک دن حسنِ اتفاق سے وہ سید محمد رؤف علی صاحب کی علالت کے زمانہ میں نواسے کی خیر صلاح کو چوڑیوالوں آنکلے اور میں بھی اس وقت وہاں معمول کے موافق موجود تھا۔ اُس دن کے بعد پھر مجھے قدمبوسی حاصل کرنی نصیب نہ ہوئی جو قلق مجھے تازیست رہیگا اور وہ بالخصوص اس وجہ سے کہ اس دن اثنا ئے ملاقات میں نے مرزا کا ذکر چھیڑ دیا اور ارادہ کر لیا کہ آج جو لفظ انکی زبان سے نکلیگا قلم بند کروں گا۔ کیونکہ ہر لفظ بیش بہا ہوگا اور یہ خود شمع شب رفتہ ہیں۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں انکی زندگی کا بھروسہ

نہیں جو بھی حاصل ہو جائے وہ غنیمت ہے۔ اور بلا کسی بات کے چھیڑے وہ خود کبھی ہرگز ایک لفظ مرزا کے متعلق یا دلیل زمانہ سے متعلق اپنی زبان سے کہنے والے نہ تھے۔ خیر جو کچھ انھوں نے اس دن اپنی زبان سے کہا میں نے قلمبند کر لیا اور ذیل میں موجود ہے۔ مگر صد ہزار افسوس کہ یہ معاملہ مکمل نہ ہوا اور آج ادھورا ہی طبع ہوگا۔ ادھر انکی علالت اور ادھر میرے یہاں آجانے نے اس مکالمہ کو پورا نہ ہونے دیا۔ ورنہ ارادہ تھا کہ خود اُن کی زبان سے مرزا کے حالات اور اس دور کی کیفیات سُنکر قلمبند کرتا۔ مگر اب وہ کلی ہی نہ رہی جس میں تل بند ہوتے تھے اب کہاں میر نصاحب اور کہاں اس مکالمہ کی تکمیل۔ مگر جو ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔

میں۔ کیوں حضت (حضرت) مرزا کا زمانہ تو خوب یاد ہوگا۔

میر نصاحب۔ لے لو نہ یہہ خوب کہی۔ ارے بھئی یاد کیسا۔ واہ واہ! یوں کہیے کہتے ہیں۔ میری مرزا نوشہ کے ہاں رات دن کی نشست و برخاست تھی۔ ہر وقت کی صحبت تھی۔ ہر وقت کا ملنا جلنا تھا۔ جس دن سے مرزا نوشہ کا انتقال ہوا زندگی بدمزہ ہوگئی۔ زیست کا لُطف جاتا رہا۔ اب کہاں وُہ صحبتیں۔ ہم بھی اب چراغ سحری ہیں۔ کوئی دن کی ہَوا ہے اب کون باقی ہے دلّی میں۔ اُس زمانہ کے لوگ اب کہاں پیدا ہیں اور مرزا نوشہ جیسے لوگ تو اب پیدا ہی کہاں ہوتے ہیں۔ اُنکے وہ وصاف تھے کہ انتہا کا ہیکو ہے۔ ذکر انتہا کا ہیکو ہے میر نصاحب کا خاص اپنا تکیہ کلام تھا) کوئی بات لطیفہ سے خالی نہ تھی۔ بات بات میں ظرافت نکلتی تھی۔ تمام محفل کو ہنساتے رہتے تھے۔ اور بیخ نے تو واسطہ کیا۔ ادھر

متانت بھی ایسی کہ کچھ انتہا کا ہیکو ہے۔

میں۔ جی ہاں حضرت بجا و درست ارشاد ہوا۔ اب وہ زمانے کہاں رہے خواب و خیال ہو گئے۔

میر نصاحب۔ ہاں بھائی۔ ان صحبتوں کا لطف بس اُنہی تک تھا۔ اب نہ وہ لوگ ہیں۔ نہ وہ باتیں ہیں۔ نہ وہ تہذیب رہے۔ اب تو وہ نئی روشنی ہے اور نئے لوگ ہیں۔ بھائی میر مہدی (میر مہدی مجروح) کہا کرتے تھے کہ وہ جگنو بھی ہوتا ہے نا۔ پٹ بیجنا۔ بس اُس کی مثال ہے۔

میں۔ میر مہدی مجروح نے بھی اچھی طبیعت پائی تھی۔ بجا ارشاد ہوا۔ واقعی موجودہ روشنی کی وہی مثال ہے جو آپ نے فرمائی۔

میر نصاحب۔ میں قلعہ میں رہا کرتا تھا اور بھائی میر مہدی اردو بازار میں رہا کرتے تھے۔ اردو بازار ملاقی بیگم کے کوچہ کے سامنے ہی تھا۔ اب تو وہ کھنڈر ہے۔

میں اور بھائی میر مہدی دونوں روز مرزا نوشہ کے ہاں جایا کرتے تھے۔ یا تو میں بھائی میر مہدی کو لیلیا کرتا تھا یا وہ مجھے لیلیا کرتے تھے۔ ہم نے مرزا صاحب کے ہاں قدم رکھا اور کہا "حضرت آداب عرض ہے" اور اُدھر سے اُنھوں نے کہا "دو میں بھی آداب عرض کرتا ہوں" اِدھر سے ہم نے چھیڑنے کو کہا کہ حضرت یہ کیا۔ اور اُدھر سے اُنھوں نے کہا "بھئی تمہارے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ آئیے بھی۔ آج کئی دن کے بعد آئے۔ کہاں رہے" اور ہم نے کہا اجی حضرت ابھی تو ہو کے گئے ہیں۔ اور وہ بولے "دکہیں اور گئے ہو گے۔ یہاں نہیں آئے" اور ہم اصرار کر رہے ہیں کہ ابھی تو ہو کے گئے تھے۔ پھر وہ مسکرا کے کہتے۔

دہ بھی میں ضعیف بھولا بھالا آدمی تم لڑکوں کے کہے میں آجاتا ہوں۔
آؤ بیٹھو"

مزاج اسقدر نازک تھا کہ انتہا کا بیکو ہے۔ کوٹھی پر نشست تھی اور دور دور کے لوگ آ کے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ چار ملازم تھے اور کلو انکے داروغہ تھے۔ محفل میں ہر ایک کے سامنے علیحدہ علیحدہ کلیاں بھری رکھی رہا کرتی تھیں اور انکا قاعدہ تھا کہ ذرہ پکی چلم پیا کرتے تھے۔ اگر نیا آدمی ناواقف آتا اور کلی سامنے رکھی گئی اور اس نے کہیں پینی شروع کردی۔ بس اُسی وقت مرزا صاحب سمجھ گئے کہ باہر کا آدمی ہے۔ تہذیب سے ناواقف ہے اور اُسی وقت انکا مزاج بگڑ گیا۔ کلو کو آواز دی اور کہا آپ کو سلفہ بھر کے لادو۔ اور وہ بیچارہ (باہر کا آدمی) بولا "جی نہیں تو ابھی پیتا ہوں" اور وہ کہہ رہے ہیں جی نہیں خدا جانے آپ کس وقت پیا ہوگا آپ کو طلب ہے۔ داروغہ آپ کو سلفہ بھر کے لادو۔ اور وہ آدمی ہے کہ پانی پانی ہوا جاتا ہے۔

بہت سے صاحب غرض انکے پاس آیا کرتے تھے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ کوئی صاحب غرض ہے تو اُس کی زیادہ تواضع کرتے تھے۔ اور چلنے سے پہلے بلا کے داروغہ کے کان میں کہہ دیتے کہ ان کی پانچ یا دس روپیہ سے تواضع کرنا۔ مگر وہاں روپیہ کہاں تھا۔ باسٹھ روپیہ آٹھ آنے کی پنشن تھی اور کچھ اور اِدھر اُدھر سے روپے تین سو ایک ہوجاتے تھے۔ مگر وہ دس پندرہ دن کا بھی خرچ نہیں تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر اس وقت ایک ہزار کی تھیلی ان کے ہاتوں میں دیدیجئے تو صبح تک ایک پیسہ نہ رہے۔ اب کلو نے کہا کہ پچاس روپے پرسوں لائے تھا سب

ہو چکے۔ اچھا تو بنئے کے ہاں باسن گرویں رکھدو اور آپ کی پانچ روپیہ سے تواضع کرو۔ یہ سنتے ہی وہ گئے اور کہیں سے روپیہ لے آئے اور جس وقت صاحب غرض نے زینے سے نیچے قدم دھرا انھوں نے ہاتھ پر ہاتھ دہر کے یوں نذر کے طور پر پانچ یا دس جیسا موقعہ ہوا اُسے دیدیے۔ یہ حالت ان کی رحمدلی کی تھی۔ اب یہ طبیعتیں کہاں ہیں۔

بھائی میر مہدی اور میں دن میں کئی کئی دفعہ جایا کرتے تھے۔ دوپہر کو وہ آئی ہوئی غزلیں بنایا کرتے تھے۔ نواب کلب علی خاں کے باپ نواب یوسف علی خاں کی بھی غزلیں آیا کرتی تھیں۔ ایک دن جو ہم پہونچے تو بیٹھتے ہی مرزا نوشہ نے عادت کے موافق ایک شعر سنایا۔

کیسی شفا، کہاں کی شفا، یہ بھی چند روز
قسمت میں تھا کہ ناز مسیحا اُٹھایئے

ہم نے سنتے ہی کہا سُبحان اللہ سبحان اللہ کیوں نہو آپ کی طبیعت کہنے لگے وہیں یہ کیا کہا۔ مُنہ پر طمانچے مارو۔ میں کیا۔ یہ نواب یوسف علیخاں صاحب کا شعر ہے۔ تکبر سے تو واسطہ کیا۔

میں۔ ہاں قبلہ کیوں نہ ہو۔ بھلا ایسی طبیعتوں میں تکبر کہاں۔

اس کے بعد میں نے اور چند سوالات کیے مگر ہزار بدقسمتی کہ اُسی وقت اُنکے جواب قلمبند نہ کئے۔ اسی ارادہ کرنے میں رہا کہ آج اس معاملہ کو مکمل کرونگا اور کل کرونگا۔ اور یالا خر وہ قبر میں جا سوئے۔

اس آخری عمر اور ضعف میں بھی میر صاحب کی آواز ایسی تازہ اور بلند تھی کہ اچھے جوان شرما جائیں۔ مگر ہجوم امراض سے اسقدر نحیف و زار ہو گئے تھے کہ ان کی زندگی کا ایک دن کا بھروسہ نہ تھا۔ وہ کیا اُٹھ گئے

کہ زمانۂ غالب کے کارواں کی آخری طناب قطع ہو گئی۔ اب سوائے علمی تذکروں اور داستانوں کے اُس زمانہ کا اور کیا باقی ہے۔ شاید ادھر اُدھر کوئی باقی بھی ہے تو کیا بس شمع سحری ہے۔ ادھر صبح کا جھونکا آیا اور قصہ تمام ہوا۔ ع

جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

محمد آصف علی

غزل

اک اک ادا میں ناز ہیں پنہاں ہزارہا ۔۔۔ اُٹھتے شباب کے ہیں نگہباں ہزارہا
پھٹنے میں کتنے روز گریباں ہزارہا ۔۔۔ دیکھے جنوں میں رونق بیاباں ہزارہا
دیوانگئ عشق کا بڑھتا ہے سلسلہ ۔۔۔ آباد ہوتے جاتے ہیں زنداں ہزارہا
اک میں ہوں یہہ کہ پوچھنے والا نہیں کوئی ۔۔۔ اک تم ہو وہ کہ [illegible] ہیں خواہاں ہزارہا
کس کس کی اک [illegible] میں بر آئے آرزو ۔۔۔ ہیں دل میں شوق وصل کے ارماں ہزارہا
بے تھک کے پاؤں توڑ کے بیٹھیں گے کہیں ۔۔۔ جوشش جنوں کے ہو گئے جہاں ہزارہا
اے حسن تیری چشم فسونگر کو دیکھکر ۔۔۔ کافر ہزار ہیں تو مسلماں ہزارہا
گھٹ رہا ہے ضبط فغاں کیا کروں تپاں ۔۔۔ گھبرا رہے ہیں سینہ میں ارماں ہزارہا
کوچہ میں اُنکے ایک قیامت ہے ہر گھڑی ۔۔۔ نالاں ہزارہا ہیں۔ تو گریاں ہزارہا
[illegible] ذریب [illegible] وہ لیتے ہیں وہ دل ۔۔۔ بنتے ہیں اُنکے بندہ احساں ہزارہا
[illegible] میں خوب خاک اُڑائی ہے مدتوں ۔۔۔ دیکھے ہیں ہمنے دشت بیاباں ہزارہا
[illegible] سامنے آجاؤ اک ذرا ۔۔۔ مضطر ہیں شوق دید کے ارماں ہزارہا

سب سے جدا ہے سب سے الگ میری طرز ہے
محفل میں سلے رضا ہیں غزلخواں ہزارہا

[illegible]

تازہ غزل

رگیں کھنچنے لگیں اب نزع کا ہنگام آتا ہے
ہٹا دو ورنہ اُنکے سر پہ بھی الزام آتا ہے

وہ مہ آخر لکھے تھے جسمیں اپنے تجربے ہمکو
وہ خط شوق دیکھوں کسکے کسکے کام آتا ہے

جناب حضرت عزلت گزیں سے عرض اتنی ہے
فقط یہ دیکھ لیں محفل میں کیونکر جام آتا ہے

نگاہیں مست ساقی کی پرست ورنہ متوالے
اُٹھ جاتی ہے محفل جب کبھی یوں جام آتا ہے

کسی محفل میں اب جانیکے قابل ہی نہیں اہل
وہ عالم ہے زباں پر اشرار دلکا نام آتا ہے

اڑاتے ہیں نظر خمخانہ ہستی سے متوالے
حجاب اُٹھتا ہے بزم ناز کا اور جام آتا ہے

نہ پوچھو کس قدر ہوگا عذاب آخرت اُسپر
شب غم جس مریض عشق کو آرام آتا ہے

سنوں جو کس طرح تکبیر دل سیماب فطرت کو
جہاں بجلی تڑپتی ہے وہاں آرام آتا ہے

سمجھتا ہوں یہ دلکا درد اک دن رنگ لائیگا
نظر آغاز میں مجھکو مرا انجام آتا ہے

یہ سناٹا یہ تاریکی یہ ابر و باد یہ قبریں
تمہیں اے سونیوالو کس طرح آرام آتا ہے

یہ ساماں چھپ رہے ہیں گر رہا ہے پردہ دنیا
نہ دیکھا جائیگا اب جو وہ ہنگام آتا ہے

الٰہی وہ شفق بنکر دیار حسن میں چمکے
برابر خون دل جو صبح تا شام آتا ہے

مرے چہرہ کو ملے چادر ہٹا کر دیکھنے والے
مریض ہجر کو دیکھ اس طرح آرام آتا ہے

جلائینگے وہ اگر شمع تربت خیر ہے تمکو
بھلا کون ایسے ویرانے میں وقت شام آتا ہے

عزیز باوفا نے دیر میں کچھہ چوٹ کھائی ہے
حرم میں آج باندھے جامہ احرام آتا ہے

حکیم بریانداس

نہایت عقیل و ذکی تھا۔ اس کی زوجہ میلیس بہت موٹی تازی بدصورت تھی۔ اتفاق سے اُس زمانہ کی بعض عورتوں نے اوس کی بھدی سی نقد ... نا بنائی جسکو دیکھکر بریانداس کو بڑا غصہ آیا اور فوراً اپنی بیوی کے پاس پہونچا سو اتفاق کہ وہ اُس وقت ایک سیڑھی پر چڑھی ہوئی تھی۔ بریانداس نے جاتے ہی اُس کے پیٹ میں اس زور سے لات ماری کہ وہ سیڑھی سے نیچے گر کر فوراً مر گئی اور اُس کے پیٹ ... جو بچہ تھا وہ بھی ضایع ہوگیا۔ اسکو مردہ دیکھکر حکیم بہت ہی پچتایا ... اسی غم و غصہ میں اُن عورتوں کو پکڑوا بلایا جنھوں نے وہ تصویر بنائی ... اُس کی بیوی کی ہلاکت کا باعث ہوئی تھیں اور اون سب کو ... اوس کی بیوی کی موت کی خبر اُس کے خسر کو پہونچی تو اُس ... نے نواسوں کو بُلوا بھیجا تاکہ اُن ہی کو دیکھکر اپنی تسلی کرے۔ جب یہ ... کے پاس پہونچ گئے تو اُس نے دونوں سے کہا کہ "بھلا تمھیں معلوم ... ی ماں کو کس نے قتل کیا ہے؟ بڑا چونکہ احمق تھا کچھ نہ سمجھا ... سخت رنج ہوا اور اُس نے اُسیوقت اپنے دل میں عہد ... جا کر اپنے باپ سے کبھی کلام نہ کرونگا اور نہ اُس کا ... یہ دونوں پھر اپنے باپ کے پاس گئے تو اُس نے یہ معلوم ... تا نانے ... جسکا نام ... عقیلی تھا کیا کچھ کہا ہے ... سوالات کیے۔ مگر وہ اپنی حماقت کی وجہ سے

صاف بات نہ بیان کرسکا۔ البتہ اتنا معلوم ہوگیا کہ اونکے نانا نے اُنپر یہہ ظاہر کردیا ہے کہ اون کی ماں کی موت کا باعث اون کا باپ ہی تھا۔ جب اُس نے بڑے بیٹے سے زیادہ پُرسش چوکی تو اوسکو وہ باتیں یاد آگئیں جو اُس کے نانا نے چلتے وقت دونوں سے کہی تھیں اور اُن سب کا اعادہ کرایا۔ اس پر بریانداس نے چاہا کہ اپنے اور اپنے خسر کے درمیان میں اپنے چھوٹے بیٹے کو واسطہ بنائے۔

چنانچہ تمام اہل شہر کو حکم دیدیا کہ اگر یہہ چھوٹا بیٹا کسی کے یہاں آئے تو اوسکو نکال دیا جائے تاکہ وہ یہہ سمجھے کہ مجھے میرے باپنے نکال دیا ہے یا نکال دینا چاہتا ہے۔

چنانچہ لوگوں نے ڈر کے مارے ایسا ہی کیا۔ چند روز کے بعد اس کے بعض خیرخواہوں کو اسپر رحم آیا اور اُس کے باپ کی مخالفت کرکے اوسکو اپنے گھروں میں پناہ دینے کا ارادہ کریا۔ مگر بریانداس نے اُن لوگوں کو بُلاکر دہمکایا کہ اگر ایسا کروگے تو چُن چُن کر قتل کردیئے جاؤگے اب تو کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اور اوس مظلوم سے کوئی بات تک کرنیکا روادار نہ ہوا۔ الیکزحون دن رات مارا مارا پھرتا تھا۔ لوگ اس سے اس طرح ڈرتے تھے کہ جیسے درندے سے۔ اس حالت میں اُسکا باپ اس کے پاس آیا تو اوسکو چار روز سے بھوکا پایا۔ یہہ دیکھکر اوس کا بھی دل پسیجا اور کہا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم اس مُصیبت میں کس وجہ سے پھنسے کیا تم یہہ نہیں چاہتے کہ تم میرے بنک و خزاین کے مالک بنو؟ آخر تم میرے بیٹے ہو اور شہر کورنتیہ کے امیر ہو۔ اگر تمھیں اپنے والدہ کے مرنے کا رنج ہے تو مجھے تم سے زیادہ رنج ہے۔ مگر جو کچھہ ہونا تہا ہوچکا آخر مینے

بھی اس پر صبر کیا ہے۔ تم اس حالت پر اپنے ہاتھوں پہونچے ہو۔ نہ اپنے باپ کی مخالفت کرتے نہ ان دہاڑوں کو پہونچتے اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ باپ کی مخالفت کا یہہ نتیجہ ہوتا ہے۔ میں اب بھی تیار ہوں کہ تمکو پھر گھر لے چلوں" بیٹے کے پہلو میں باپ سے بھی زیادہ پتھر کا دل تھا اوس نے بے خوف خطر یہہ جواب دیا کہ "جو سزا تمنے میرے پناہ دینے والوں کے لیئے مقرر کی ہے اوس کے مستحق تم خود ہو" بریاندراس نے بیٹے کی یہ جفا دیکھکر اوسکو اپنی آنکھوں کے سامنے سے ٹالنے کے لیئے دیکو تورقیرہ کا حاکم بنا دیا جو اوسی کی مملکت میں واقع تہا۔ اور ادھر اپنے خسر ابہ تعلی سے اسلیئے ناخوش ہوا کہ وہی باپ بیٹوں کی دشمنی کا بانی مبانی ہوا ہے۔ اور انتقام لینے کے لیے ایک بڑی فوج تیار کی اور خود اپنے خسر پر چڑھ دوڑا اور نہایت آسانی کے ساتھ اوسکو گرفتار کرکے قید کر دیا۔

مدتوں کے بعد جب بریاندراس بہت ہی بوڑہا ہو گیا تو اوس نے ایک شخص کو تورقیرہ بہیجکر ایکفرعون کو بلایا۔ تاکہ سلطنت اوسکو دیکر خود الگ ہو جائے۔ ایکفرعون نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بریاندراس کو چونکہ اپنے اس بیٹے سے بے انتہا محبت تہی اس لیے اوس نے اپنی بیٹی کو بہیجا کہ وہ اپنے بھائی کو جس طرح ہو سکے سمجھا بجھا کر لے آئے۔

اس نے جاکر اپنے بھائی کو بڑی بڑی قسمیں دلائیں اور کہا کہ "کیا تم یہہ چاہتے ہو کہ سلطنت ہمارے خاندان سے منتقل کر دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے۔ کیونکہ شوکت اوس خوبصورت عورت کی طرح ہے کہ جو عفیفہ نہو۔ آج ایک کے پاس ہے تو کل دوسرے کے پہلو میں۔ کیا تمکو معلوم نہیں ہے کہ ہمارا باپ بہت ہی بوڑھا ہو گیا ہے اور اوس کے موت

کے دن قریب آگئے ہیں۔ اگر تم جلد نہ پہونچے تو ہمارا ملک و عزت سب جاتی رہیگی۔ اِس لیے تمھیں چاہیئے کہ فوراً جاؤ اور یہہ عزت وجاہ جو تمہارا حق ہے ضایع نہ کرو" الیکفرعون نے قسم کہائی کہ جب تک بریانداس شہر کوریتیسہ میں رہیگا وہ ہرگز واپس نہ جائے گا۔ یہہ سنکر اوسکی بہن واپس چلی آئی۔ اور اپنے والد سے تمام قصہ بیان کردیا۔ بریانداس نے پھر اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ "چونکہ تم قسم کھا چکے ہو کہ جب تک میں اس شہر میں ہوں تم اس میں قدم نہ رکھوگے۔ اس لیئے میں نے قصد مصمم کرلیا ہے کہ اپنی باقی عمر شہر قورقیرہ میں گزار دوں" الیکفرعون یہہ سنکر راضی ہوگیا۔ اور دونوں نے اپنا اپنا قیامگاہ بدل لینے کی تیاری کی۔ مگر جب اہل قورقیرہ کو یہہ امر معلوم ہوا تو وہ بہت ڈرے کہ ایک دیوانہ ہمپر مسلط ہوا چاہتا ہے۔ اس لیے اونھوں نے الیکفرعون کو قتل کردیا۔

بریانداس کو اب اپنے بیٹے کی طرف سے یاس کُلی ہوگیا۔ اور اسکی پاداش میں اوس نے اوس شہر کے بڑے بڑے آدمیوں کے تین سو لڑکوں کو گرفتار کرکے ہلیاطس کے پاس بھیجدیا کہ اون سب کو خصی کرکے اپنا غلام بنالے۔ اتفاق سے وہ کشتی جس میں یہہ بدنصیب لڑکے تھے جزیرہ شامیس میں پہونچی وہاں کے لوگوں کو جب ان مظلوموں کا حال معلوم ہوا تو اون کو بڑا رحم آیا اور اون سے خفیہ طور پر کہلا بھیجا کہ تم سب اب خانہ دیانہ میں چلے آؤ کہ وہاں سے پھر گرفتار کرنے کی کسیکو جرات نہیں ہوسکتی۔ اور شہر کو نثیتیہ والوں کو وہاں سے نکالنے کی کسی طرح ہمت نہیں ہوسکتی۔ اس طریقہ سے یہہ بدنصیب بھی

بچ گئے۔ اور بریانداس کو بھی اون لوگوں کے غدر کا خیال نہ ہوا۔ مظلوموں کو آزوقہ پہونچانے کا اون لوگوں نے یہہ انتظام کیا کہ ہر روز بہت سے آدمی مل کر بت خانہ کے سامنے ناچتے، وہ اثنائے رقص میں کھانے پینے کی چیزیں اون کی طرف پھینک دیتے۔ شہر کورنیتیہ والے بہت روز یہہ تماشا دیکھتے رہے آخر تھک کر چلے آئے۔ بریاندس کو یہہ واقعہ سُن کر اور بھی رنج ہوا کہ وہ حسب دلخواہ اپنے بیٹے کے قتل کا انتقام بھی نہ لے سکا۔

اس وقت حکیم نے اپنے ہلاک کا ارادہ کیا۔ وہ یہہ چاہتا تھا کہ میرے مرنے کی کسی کو اطلاع نہو۔ اس لیئے اوس نے یہہ تدبیر کی کہ دو جوانوں کو بلاکر اونھیں ایک غیر آباد راستہ کا پتہ دیا اور کہا کہ رات کو وہ وہاں گشت کریں اور جو شخص تنہا اونکو نظر آئے اوسکو قتل کرکے فوراً وہیں دفن کر دیں۔ اونکو رخصت کرکے چار اور جوانوں کو بلایا۔ اور اونکو حکم دیا کہ رات کو اوس موقعہ پر جو دو آدمی ایک جگہ ملیں اونکو قتل کرکے فوراً اسی مقام پر دفن کر دیا جائے۔ ان چاروں کو رخصت کرکے اور بہت سے آدمیوں کو بلوایا اور اسی طرح ان چاروں کے قتل کا انتظام کر دیا۔ اور مقررہ وقت پر خود تنہا اوس مقام پر پہونچا۔ اور قتل کرکے دفن کر دیا گیا۔ پھر اوس کے دونوں قاتل۔ اور پھر اونکے قاتل۔

لیکن یہہ تدبیر بھی بدقسمتی سے اوس کے لیئے کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ اہل کورنیتیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے اس کا بڑا مقبرہ بنایا اور اوس پر پچی کاری کی۔

محمد خلیل الرحمٰن

وفا

بنی نہ وجہ تسلی مری ادائے وفا وہ ناز مست رہا شجنہ بیوفائی وفا
وہ شعلہ رو جو ہوا آج رہگزارے وفا چراغ پا نہ رہا دستِ نارسائے وفا
جو اہل دل ہو جو صاحب نظر ہو وہ دیکھے طلسمِ راز کا منظر حریمِ سرّ وفا
ہمارا صدق و صفا عینِ آرزو ہو جائے جنون حصار نہ بن رنگ حق نمائے وفا
بلا وہ صحنِ چمن میں بہار لالہ و گل نگاہِ شوق ہوئی صبح دلکشائے وفا
ہر ایک دم دمِ شمشیر کا رہا زہ و کش جفا و قفا میں سپر تھی مری ردائے وفا
حریفِ انس ہے نا حق یگانہ بیداد نہیں مناقشہ غیر با سوائے وفا
نہ التفاتِ نظر ہے نہ امتیازِ ولا خیالِ غیر نہ ہو مشکلِ مدعائے وفا
ادا نورد ہے کیا وہ عشوہ مستانہ کہاں پسند نہیں جام خود نمائے وفا
خلاف وضع نہ سمجھے حقیقتِ روداد ہوا وہ فتنہ فساد امحو ماجرائے وفا
جلال رنگ کے واماندہ ہیں نیاز طریق شکستہ بستہ مقید ہیں دست و پائے وفا
گئی وہ عشوہ گری دامِ حسنِ تمکیں سے وہ عشق ساز ہوا شیوہ آزمائے وفا
زہے کرشمہ وہ بیمہر شوخ کہتا ہے بیا فدائے وفا ہاں بیا فدائے وفا
یہی ہے بلبلِ کشمیر تیرا جلوہ شہید ادھر کو رخ نہیں بیگانہ آشنائے وفا

بقا فنا کا تعین کہیں نہ ہو ساقی
ستم شعار کو منظور ہے فنائے وفا

عریان خیرابات ۔ ق

حیاتِ انسانی پر دو پرندوں کی بحث

کوہسار کی بلند چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں رات اندھیری تھی اور زیتون کے درخت پر اصفہانی چکور کا خانماں برباد جوڑا ایک دوسرے کے پروں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا موسم سرد تھا ہوا خنک ہو رہی تھی ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا زور سے چلا پتے گرنے لگے اور ایک پتلی سی شاخ بادِ تند کی حراست میں اپنے وطن سے روانہ ہوئی زمین نے استقبال کو ہاتھ بڑھائے مگر پرندوں کے رخسارِ نازک نے مہمان نوازی کی ابتک بھولے بھالے جانوروں کے ننھے دل مظالمِ صیاد کو جو دن بھر لوٹتے رہے فراموش نہ کر سکے تھے گھر برباد ہو چکا تھا وطن چھٹ گیا تھا اور دونو حرمان نصیب حسرت آمیز نظروں سے آشیانہ کو خیرباد کہہ چکے تھے صیاد ان کی تاک میں تھا اور آفتاب کے ڈھلتے ہی یہہ جوڑا بسیرا لینے کی غرض سے شمال مشرق کی طرف روانہ ہو گیا دن اڑا چلا جا رہا تھا اور پرند پوری طاقت سے پرواز کر رہے تھے قدرت کا [illegible] اثر غالب آیا اور کوہسار کے دامن میں روزِ روشن نے [illegible]یوں کو وداع [illegible] زیتون کے درخت پر دونو بیٹھ گئے کہ رات بسر کر کے صبح آگے بڑھیں۔

مصیبت زدہ جوڑا شاخ کے گرتے ہی چونک پڑا اور نر نے مادہ سے کہا۔

پیاری! رات بھی اطمینان سے گذرتی معلوم نہیں ہوتی چلو اور

کہیں چلے چلیں۔

مادہ۔ اگر سنگدل انسان ہماری جان کا ایسا ہی دشمن ہے کہ وہ ہماری اس محبت کو مطلق نہیں دیکھ سکتا تو اب اجازت دیجئے کہ میں گرفتار ہو جاؤں اور اس طرح آپ ان مصیبتوں سے نجات پائیں۔

اتنا سنتے ہی نر نے مادہ کے رخسار کو بوسہ دیا اور وفا کی مانی پروں پہ منہ رکھکر سچی محبت کا شکریہ ادا کرنیکے بعد کہا۔

موہنی صورت! قربان جاؤں زندگی کی بہار اسی دم سے ہے اگر تقدیر میں مفارقت لکھی ہے تو صیاد کا شکار میں ہوں نہ کہ یہہ چاندی صورت۔

مادہ۔ اچھا چلو کسی طرف اڑ چلیں کلیجہ دھڑک رہا ہے اس ... قفس میں یہہ کمر کا کاہے کا تھا۔

نر۔ چلو! شاید کوئی پتہ تھا! رات کا وقت ہے رات بھی ... دور چلنا مناسب نہیں چلو کسی اور درخت پہ چل بیٹھیں۔

دونو نر مادہ اڑ گئے رات جوں توں ایک اور درخت پر ...

صبح صادق کا سہانا وقت تھا کہ نر نے مادہ سے کہا سورج نکلا ... چلو اب ایسی جگہ چلیں جہاں انسان کا نام و نشان تک نہ ہو اور ... مدۃ العمر صورت دیکھنی تو درکنار ایسے سفاک جنس کا نام بھی نہ سنیں ...

انسان! ... صبح ہی صبح کس بخت کا نام زبان پر ... خود غرض کس درجہ مکار توبہ توبہ اسکا دل جذبات سے خالی ... سے نا آشنا ہوس کا بندہ مطلب کا دوست یقیناً ... کی قدر نہیں کر سکتا جب ہم اپنے آشیانہ میں ...

آہ ہاں ہوں جب فضائے عالم میں اڑتے ہوئے میری نظر محبت [illegible] ڈوبی خلوص میں بھی تیری پیاری صورت پر پڑے۔

یہ کہکر زہرہ نے لیٹ کر بادہ [illegible] گئے [illegible]۔

[illegible] میری [illegible] الفت [illegible] نہیں [illegible] ایسے [illegible] موجود ہیں [illegible] زندگی [illegible] وشمن ہمارے [illegible] اور [illegible] جاتا ہے [illegible] انسان میں [illegible] میں [illegible] اور دل میں درد رکھتے ہونگے

آؤ اب ہم [illegible] دنیا کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ [illegible] [illegible] اشرف [illegible] اعلیٰ ہونے کا مدعی ہے کس کس رنگ [illegible] جلوہ [illegible]

[illegible] زہرہ [illegible] اور آبادی کی طرف روانہ ہوئے [illegible] [illegible] ایک ایسے مقام پر ہوا جہاں ایک بیوہ [illegible] اپنے یتیم بچہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی [illegible] گھر [illegible] چکا تھا اور زرد جواہر لٹانے والی [illegible] تھی [illegible] شرفیوں میں کھیلا جس کی ہر ادا پر باپ [illegible] وقت [illegible] گودڑ کا لال تھا کپڑے پھٹے پرانے اور پاؤں [illegible] کا فاقہ تھا اور یہ معصوم ماں سے رو رو کر روٹی

[illegible] تصویر بچے کا منہ تک رہی تھی اور اس [illegible] رہی تھی جب سے تمام مال جائداد [illegible] [illegible] کو [illegible] کی [illegible]

بہ ظاہر خاموش تھی مگر کلیجہ خون کے آنسو رو رہا تھا جب بچہ کی ہٹ حد سے زیادہ بڑھی اور جگر کا ٹکڑا زمین پر لوٹنے لگا تو ضبط نہ کر سکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اُٹھی لال کو کلیجہ سے لگایا اور گود میں لیکر بیٹھ گئی سر کے بالوں پر مُنہ رکھکر پیار کیا اور کہنے لگی۔

میرے چاند ابھی روٹی پکاتی ہوں لو اُٹھو پانی لاؤ آٹا گوندھوں۔

بچہ۔ آٹا کہاں ہے! ہنڈیا خالی پڑی ہے! پیسے لاؤ مرلی سے آٹا لے آؤں۔

ما۔ چندا میرے پاس پیسے نہیں ہیں یہہ پیک لیجاؤ صراف کو دینا وُہ جتنے پیسے دے اسکا آٹا لے آنا۔

بچہ۔ اماں بیگم! میں اتنی دور جاؤں!

ما۔ میں دروازہ میں کھڑی ہوں جاؤ بھاگ کر لے آؤ شاباش شاباش دونو ماں بیٹے دروازے میں تھے کہ دیور نے گھر میں قدم رکھا بچہ یہہ کہکر اہا چچا جان آئے دوڑ کر لپٹ گیا بھاوج سہمی ہوئی گھر میں آگئی۔

دیور۔ تم پر وہ کرلو! میرے ساتھ قرق امین ہے تمہاری تمام جائداد میرے قرضہ کو کافی نہ ہوسکی اٹھارہ روپیہ چھ آنے باقی ہیں میری ماما تم سے صاف طور پر کہہ گئی کہ سرکار فرماتے ہیں تم یہہ بنگالے کی مینا دیدو مگر تمہاری تقدیر میں تو عدالت کے زور سے دینا تھا خوشی سے کیوں دیتیں میرا بچہ دو گھنٹہ اس کے لیئے رویا ہے آخر بچہ ہی تو ہے اسکو بھی ضد آگئی۔

یا تو اٹھارہ روپیہ چھ آنے دو ورنہ جو برتن بھانڈا ہے وہ اس پنجرے کے ساتھ اور دو قرق امین صاحب آجانیئے۔

وہ دیور جو اس بیگم کے نمک سے جوان ہوا جو ہر وقت ہاتھ باندھے حاضر تھا جس کے غریب بچے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتے تھے ایک جھوٹی دستاویز بنا کر آج اس قابل ہو گیا کر سینتالیس ہزار کی جائداد بارہ ہزار روپیہ نقد ہضم کر کے معصوم و یتیم بھتیجے کی مینا اسکے بچہ کے واسطے قرقی کرنے آیا بھاوج جو دیور کا منہ تک رہی تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ کچھ جواب دے قرق امین کا نام سنکر کوٹھڑی میں گھس گئی دو تین آدمی وردی پہنے اندر گھس آئے اور ایک لوٹا ایک پاندان ایک پتیلی ایک کٹورا اور مینا کا پنجرہ قبضہ میں کر لیا۔

پنجرے کے اُتارتے ہی بچہ مچل گیا اور رو کر کہنے لگا۔

اچھی چچا جان! میری مینا نہ لو۔ معصوم کی گریہ وزاری کون سنتا تھا وہ ظالم چچا کے رحم کا منتظر ہی رہا اور مال باہر جا پونچا۔

جب بچہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو ماں متا کی ماری باہر نکلی مینا بچہ کا نام لے لے کر پکار رہی تھی بچہ سر زمین پر ٹھنیاں کھا رہا تھا سنگدل چچا ٹھٹے لگا رہا تھا بچہ کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا چمکارا پیار کیا سمجھایا اور کہا۔

"میں اپنے بچہ کو اور مینا منگا دوں گی"

بچہ۔ میری اماں بیگم! میری مینا چچا جان سے چھین لو۔

ماں بیٹے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے آفتاب غروب ہو رہا تھا اور ایک بن باپ کا مظلوم بچہ آٹھ پہر کا بھوکا مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا دکھیاری ماں جس کا کلیجہ نکل رہا تھا کلیجہ کے ٹکڑے کو اُٹھا کر اندر لائی اسکا بلکنا کلیجہ پر تیر لگ رہے تھے بچہ کو کھٹولے پر لٹایا تھپک تھپک کر لوریاں دیں آنکھ

لگ گئی تو عشا کی آواز کان میں آئی اُٹھی وضو کیا اور روتی ہوئی جانماز پر کھڑی ہوگئی۔

دونو میاں بیوی بسیرا لے چکے تھے ان واقعات سے مادہ کا کلیجہ دہلا دیا دفعتہً نر نے بآواز بلند کہا۔

من موہنی! دیکھا انسان کو؟ چلو اب خدا کے واسطے ایسی جگہ چلو جو انسان کی دسترس سے کوسوں دور ہو۔

اتنا کہکر نر ہوا میں اُڑا اور اس کے ساتھ ہی مادہ روانہ ہوئی رستے بھر نر انسان کی ہستی پر لعنت ملامت کرتا رہا بالآخر اس نے فیصلہ قطعی یہہ کیا کہ انسانی شہر ہمارا مسکن نہیں ہوسکتے ہم اس برفستان میں رہیں گے جہاں اس ارذل المخلوقات جنس کا گذر قطعًا ناممکن ہو۔ مادہ جو انسان کی حمایت پر اڑی ہوئی تھی اب بھی اس انجام پر متفق نہ ہوئی اور کہنے لگی۔

یہہ سنگدل چچا جس نے پھول سے بھتیجے اور پردہ نشین بیوہ پر ظلم توڑے لاریب انسانی ہستی کا بدترین نمونہ ہے میں اس مخلوق کی نمک خوار ہوں میں نے اس کی محنت سے فائدہ اُٹھایا ہے ہری بھری کھیتیاں میرے سامنے لہلہائی ہیں یہاں سے کئے ہوئے ٹھنڈے اور میٹھے چشموں کا پانی مینے پیا ہے مجھے چلنے میں عذر نہیں مگر چند سے حس افراد کا وجود تمام جنس کو بدنام نہیں کرسکتا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی ہے باقی حصہ یہیں بسر کرو اور صبح پھر ایک طالعہ کریں۔

باقی رات دونو میاں بیوی نے اسی گفتگو میں ختم کی اور علی الصباح آبادی کی طرف روانہ ہوئے۔

دس بجے کے قریب دونو ہمائیں اُڑے اور بیدو باہر کو قصر جعفری

(جعفر برمکی وزیر ہارون رشید، پر شملے۔

دو پہر کی توپ چل چکی تھی کہ ایک بدنصیب مسافر محل کے نیچے آیا اس کے ساتھ بیوی اور تین بچے تھے متواتر فاقوں سے ان کی صورت بگاڑ دی تھی ان کا لباس فقیروں سے بدتر تھا اور بھوک کی وجہ سے ان کے قدم نہ اٹھتے تھے وہ اس تمام پریتاب ہو کر گر پڑے اور تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو مسافر جعفر برمکی کو پوچھتا ہوا محل کے اندر داخل ہوا۔

اب دن کے تین بجے ہو گئے کہ ایک شخص محل سے باہر نکلا اور اس نو وارد سے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ کس کو دریافت کرتے ہو؟

مسافر: میں خلیفہ کے وزیر سے ملنے آیا ہوں میرا وطن بصرہ ہے آج سے چار سال پہلے میں وہاں کا مشہور رئیس حمیر بن اعظم تھا قحط نے میری دولت کا خاتمہ کیا اور بچا کھچا اثاثہ سرکاری مالگذاری کی نذر ہوا اب ہم ایک بیوی اور تین بچے پانچ آدمی افلاس و گرسنگی سے مجبور ہو کر جعفر کی پناہ میں آئے ہیں اندیشہ ہے کہ اتنی دیر میں میرے بچے جنکو رزق کی صورت دیکھے آج چوتھا روز ہے تڑپ تڑپ کر سڑک پر نہ مر گئے ہوں۔

شخص یہ کہتا ہوا ممکن ہوا تو میں جعفر کو تمہارے آنیکی اطلاع کردونگا محل کے اندر واپس چلا گیا مسافر کچھ دیر تک انتظار کرکے اپنی تقدیر پر روتا ہوا واپس چلا دروازہ پر اس نے ایک شخص کو دیکھا جو اسکا منتظر تھا اس شخص نے مسافر کو جھک جھک کر سلام کیا اور درخواست کی کہ میرے ساتھ چلیے۔ وہ غسلخانہ میں داخل ہوئے پانی تیار تھا اس شخص نے مسافر سے غسل

کی التجا کی اور اس کے بعد کپڑے بدلوا کر کھانا پیش کیا انواع و اقسام کے کھانے سونے چاندی کے برتنوں میں چُنے گئے اور بھوکے پیاسے مسافر نے کئی روز بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا نواڑی مسہری پر نرم نرم بچھونا بچھا ہوا تھا داروغہ فرش نے اسوقت عرض کیا کہ دوسرے کمرے میں تشریف فرمایئے۔ مسافر ادھر تھکا ہوا ادھر بھوک میں کھانا کھا کر جو پلنگ پر لیٹا تو صبح کی خبر لایا آنکھ کھلی تو دن کے نو بج چکے تھے خادم پاؤں دبا رہا تھا انگڑائی لیکر بیدار ہوا تو غسل کے واسطے پانی بدلنے کے لیئے لباس تیار تھا فارغ ہوا تو طرح طرح کے کھانے نایاب میوے لاجواب کباب حاضر تھے کھا چکا تو بیوی بچوں کے خیال سے خدام سے کہا کہ

جعفر جی کہاں ہیں؟

خادم۔ مجھے علم نہیں۔

مسافر۔ مجھے اب رخصت کیجیے میرے بچے اور بیوی جنکو میں سڑک چھوڑ کر آیا تھا شاید مر گئے ہوں۔

خادم یہہ سُنکر باہر گیا اور تھوڑی دیر بعد وہی شخص جو سب سے پہلے بلا تھا حاضر ہوا اور عرض کی۔

آپ کو یہاں کچھ تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمایئے جعفر کو اپنے مشاغل سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ آپ جیسے مہمانوں کی حسب حیثیت خاطر کرے میں شب کو بھی چار مرتبہ حاضر ہوا مگر آپ آرام فرما رہے تھے اس لیئے کچھ عرض نہ کر سکا۔

مسافر۔ میں آپ کی عنایت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا میرے بیوی بچے کل دوپہر کے سڑک پر پڑے ہوئے ہیں اب مجھے رخصت کیجیے۔

شخص - میں شکریہ کا مستحق نہیں آپ کا غلام ہوں! اگر آپ کی یہہ ہی خواہش ہے تو چلئے تشریف لے چلئے۔

مسافر یہہ سنکر اُٹھا آگے آگے وہ تھا پیچھے پیچھے یہہ شخص سڑک پہونچکر مسافر نے ایک چیخ ماری اور کہا میرے بال بچے خدا معلوم کیا ہوئے۔

زمین پر دو انسان تھے جو ... دو پرند اسوقت اس شخص نے مسافر سے آگے بڑھ کر کہا میرے ساتھ تشریف لے آیئے مسافر حیران و پریشان روتا پیٹتا ساتھ ہولیا تھوڑی دیر میں پرند وانسان چاروں ایک عالیشان مکان پر پہونچکر ٹھٹک گئے اب اس شخص نے مسافر سے التجا کی کہ

"آپ اندر تشریف لیجا یئے"

مسافر ششدر رہ گیا تعجب سے اس شخص کا منہ دیکھا مگر مکرر اجازت پاکر اندر داخل ہوا کیا دیکھتا ہے کہ بیوی اور بچے اس محلسرا میں زرق برق پوشاکیں پہنے ٹہل رہے ہیں دریافت پر معلوم ہوا کہ دونو وقت سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پہونچ جاتا ہے اور پچاس تھان کپڑے کے اس وقت جب یہہ اس گھر میں داخل ہوئے ہیں بہیج دئے گئے۔ چار نوکر خدمت کے واسطے تعینات ہیں۔

دونو میاں بیوی ششدر و متحیر تھے کہ ابتک جعفر برمکی کا پتہ چلا نہ مہمان نواز کی صورت دیکھی ایسا شخص انسان نہیں ہوسکتا وہ فرشتہ ہے یا انسان کی صورت میں خدا۔

رات ہو چکی تھی اور پرند جوڑا انسانوں سے زیادہ متعجب تھا

دس بجے رات کو یہی شخص جو سب سے پہلے مسافر سے ملاقی ہوا جو مسافر کو یہانتک پہونچا گیا دروازہ پر حاضر ہوا دستک دی اور درخواست کی کہ پردہ کیجیے میں اندر حاضر ہونگا عورت اندر چلی گئی اور یہہ شخص سر پر ایک خوان لیے داخل ہوا اسکی آنکھ سے زار و قطار آنسو جاری تھے وہ مسافر کے قریب آیا اور ہاتھ جوڑکر کہا یہہ بیس ہزار روپیہ کی اشرفیاں قبول فرماکر اپنا قرضہ ادا کیجیے اس کھنڈر کو اپنا گھر سمجھیے اور اگر مہماں نوازی میں کوئی کسر رہ گئی ہو تو معاف کیجیے جعفر برمکی میں ہی گنہگار رہوں۔

جعفر کا خلق اسکی مہماں نوازی اسکا عجز و انکسار ایسی چیزیں تھیں کہ دونو میاں بیوی بیتابانہ پاؤں پر گر پڑے جعفر انکی تسلی و تشفی کرتا ہوا نکلا شام کے سات بجے ہونگے کہ شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی۔

جعفر برمکی وزیر سلطنت کا سر بادشاہ کے حکم سے اُڑا دیا گیا اس خبر کے اُڑتے ہی شہر میں کہرام مچ گیا سینکڑوں مرد اور ہزاروں ہی عورتیں ڈاڑھیں مار مار رو رہے تھے صبح کے وقت جب جنازہ قبرستان میں پہونچا ہے کوسوں تک میدان آدمیوں سے پٹا پڑا تھا ظہر کے قریب یہہ تن بے سر سپرد خاک کیا گیا اور لوگ روتے پیٹتے گھروں کو رخصت ہوگئے۔

آدھی رات کا سنسان وقت تھا اور دونو پند سروسکے ... جعفر برمکی کی انسانیت کے گیت گا رہے تھے اسکی آنسو بہا رہے تھے کنارہ فرات پر سمندر میں ڈوبی ہوئی کو بوریاں دسویں دسے کر سُلا رہی تھی دفعتہً ایک آواز گو...

سنا ئی دیئے۔

۔۔۔ انسان کی صورت میں ا فرشتے وزیر بغداد ۔۔۔ ہمیں ۔۔۔ سب کچھ بخ ۔۔۔ یا تو تو نے دیا تھا ۔۔۔ خدا کے بھیجے ہوئے سچے انسان ہماری ۔۔۔ کی حفاظت کر۔

یہہ لوگ ایک عورت قبر پر کر ۔۔۔ ہمدردی بدنصیب ۔۔۔ بیوی تھی جسنے قبر کو بوسہ دیا اور گرا ۔۔۔ رخصت ۔۔۔ ہوئی۔

وہ ۔۔۔ چیخیں مارنے میرے اڑ گئے اور ۔۔۔ کہا ۔۔۔ یہہ ۔۔۔ مخلوقات ہیں کے وجود پہ ہم فخر کرسکتے ہیں ۔۔۔

غزل

اب ۔۔۔ ہے تو رخسار آئینہ ۔۔۔ حق تو ہے یہ کہ ہے رخ دلدار آئینہ

جو ۔۔۔ چار ہے رخ دلدار آئینہ ۔۔۔ زانو سے ہٹ ۔۔۔ ہے حیادار آئینہ

۔۔۔ رخ کا جو اکبار ہو نصیب ۔۔۔ دیکھے نہ عمر بھر ترا بیمار آئینہ

عکس اُس رخ رنگین کا عکس ہے ۔۔۔ اوس شوخ نے بنا دیا گلزار آئینہ

۔۔۔ ہے رخ صاف کا ترے ۔۔۔ معلوم ہوتے ہیں در و دیوار آئینہ

کا ۔۔۔ تا ہے دن رات ہر گھڑی ۔۔۔ ایسا ہوا ہے یار کا غمخوار آئینہ

۔۔۔ ہے حاضر برائے دید ۔۔۔ رکھا ہے سامنے ترے بیکار آئینہ

۔۔۔ کسی مست نازنے ۔۔۔ مستی سے ہوگیا ہے جو سرشار آئینہ

۔۔۔ دو ۔۔۔ جب ۔۔۔ کہنے لگا کہ ہے دل بیمار آئینہ

۔۔۔ تیری چاہ ۔۔۔ طالب ۔۔۔ تیرا تو ہے طلبگار آئینہ

۔۔۔ تصور ۔۔۔ اونپر ہوا جو حال فانی زار آئینہ ۔۔۔

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے دنیا کی روش
کچھ عجب انداز سے ہے اسکا سارا انتظام

آرزوئے دل کی خاطر جاں کھپاتا ہے کوئی
اپنے مقصد کا کوئی کرتا ہے فکر انصرام

اسکی کچھ پروا نہیں ہے دل کسیکا دکھ گیا
ہنس کے کہتا ہے بشر یوں ہو گیا میں شادکام

زہر میں اک بجھائی ہے ستمگر تیری بات
صرف کہنے کو ہیں شیریں سب تیری باتیں کلام

خود غرض میں جانتا ہوں تجھے وہ میٹھی چھری
زخم کا جسکے نہیں ممکن کسی ڈھب التیام

ہاں اوسیکا سر جدا کرنیکو تو تیار ہے
جوش الفت میں تو جسکے ہے کہانیکو غلام

اسپہ بھی بچو یہی وہ نشہ ہرن ہوتا نہیں
پی چکا ہے جھک کے کچھ ایسا مئے الفت کا جام

یہ عنایت کرتا ہے ایسے شہ باطن کو حلال
تیری فرقت میں جسے ہوتا ہے خواب و خور حرام

منہ پہ جسکے قول ہارا دستگیری کیلئے
اب مٹانیکو اوسی بیکس کے اتنا اہتمام

دل کسی لاچار و بیکس کا نہیں ہے توڑنا
ہاں خدا کے گھر کا ہے منظور تجھکو انہدام

کونسی بنیاد کہہ دوں اس فسوں سازی کی ہے
دلسے لاؤں کسطرح سے پر زباں تک اسکا نام

سن لو باسط غور کر لو مختصر سی بات ہے
ہے تعصب، پر فقط قطع کلام و اختتام

اپنا مسلک صلح کل اور صلح جوئی کام ہے
"با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

غزل

شاید نصیب ہوں بت ایماں شکن کے پاؤں
چھوتا ہوں جا کے دیر میں نا برہمن کے پاؤں

دیکھا ہے اوسنے کس گل رعنا کو باغ میں
حیرت سے گڑ گئے ہیں جو سرو چمن کے پاؤں

کرنا ہے امتحان کشش حسن کا اسے
رکھتی نہیں شمع جو باہر لگن سے پاؤں

نقش قدم سے نقشۂ گلزار کھنچ گیا
کیا گل کھلا گئے ہیں مرے گلبدن کے پاؤں

"باسط رسا ہو طالع ناسازگار یوں
اپنا سر نیاز ہو اس سیمتن کے پاؤں"

تعلیم جدید اور اُردو زبان دانی

یہ تو طے ہو چکا ہے کہ مسلمان اگر دنیا میں رہنا چاہتے ہیں تو اُن کو تعلیم جدید پانے میں سعی بلیغ کرنی ہوگی کیونکہ تعلیم کے بغیر ان کے قومی امراض کا علاج ناممکن ہے اور اگر قومی امراض اسی طرح بغیر علاج جاری رہے تو اس قوم کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا یعنی ذلیل ترین اقوام بکار نوع انسان کے طبقات زیریں کے اسفل السافلین میں غرق ہوکر نظروں سے غائب ہو جانا اور قوموں کے شمار سے اس انتہائے ذلت کی وجہ سے نکل جانا ایک اٹل نتیجہ ہے۔

تعلیم جدید کا مفہوم زیادہ تر علوم جدیدہ تجربیہ میں ترقی کرنا ہے۔ ان علوم کا دائرہ معلومات اسقدر وسیع ہو گیا ہے کہ ایک ایک علم پر قدرت کاملہ حاصل کرنے کے لیئے ایک عمر درکار ہے اور اگر دو چار علوم میں مہارت تامہ حاصل کرنی منظور ہو تو دنیا و مافیہا کو بھلا کر اُن ہی علوم میں دن رات مستغرق رہنا لازم ہوگا۔ علاوہ اس کے جس زبان کے ذریعے سے ہم ان علوم کو سیکھ سکتے ہیں وہ زبان انگریزی ہے۔ جو ایک غیر زبان ہے اور بجائے خود اس قدر وسیع اور محنت طلب زبان ہے کہ چند سال اُسکے سیکھنے کیلئے بھی وقف کرنے ہونگے۔ نتیجہ یہ کہ تعلیم جدید پانے کے واسطے علوم جدید اور زبان انگریزی میں اسقدر استغراق درکار ہے کہ جب تعلیم جدید کی ترقی ہماری قوم میں خاطر خواہ ہوگی تو مشرقی زبانوں کے سیکھنے کے لئے کوئی وقت مشکل ہی سے بچیگا

اور مشرقی زبانوں کا علم اور مذاق لازمی طور سے تنزل پذیر ہوگا۔ اب بھی جبکہ مغربی یا جدید تعلیم صرف تعلیم زبان انگریزی و ادب انگریزی تک عمومًا محدود ہے مشرقی زبانوں میں ہم لوگوں کو بہت کم مہارت ہے بلکہ از روئے انصاف یہ سمجھئے کہ محض سطحی واقفیت ہے۔ جب وہ تعلیم خاطر خواہ ہونے لگیگی تو اُسوقت تو ضرور ہی ان زبانوں کی تعلیم معدومی کی حد کو پہونچے گی۔

اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب جدید تعلیم خاطر خواہ ہونے لگیگی اور جوحق اس کی ترقی کا وہ ادا ہونے لگیگا تو اُردو زبان دانی اور اُردو ادب دانی کا کیا حال ہوگا اور اگر کوئی زوال اُردو کو پہونچنے کا اندیشہ ہے تو اس زوال کا انسداد کیا ہوسکتا ہے۔

اُردو زبان اپنی طبیعت کی رُو سے ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس کے ٹھیک ٹھیک جاننے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ تین چار اور زبانیں بھی جاننی ضروری ہیں۔ عربی فارسی سنسکرت انگریزی ان زبانوں سے کم و بیش واقفیت ہو بلکہ فارسی کے تو ادب سے بھی واقفیت ہو تب اُردو دانی کا معمولی حق ادا ہوسکتا ہے۔ سنسکرت جاننے کی ضرورت کو ہنوز لوگ عمومًا نہیں سمجھے مگر حق یہ ہے کہ اُردو زبان کو عالمانہ طور سے جاننا اور اُس کے سینکڑوں نہایت ضروری اور کارآمد بلکہ بنیادی الفاظ کی تاریخ اور اصلیت کو صحیح صحیح دریافت کرنا سنسکرت اور بھاشا کے علم پر موقوف ہے اور جب زباندانی کو زباندانی کے علمی طریقوں سے سیکھنے کا رواج ہوگا (اگر کبھی وہ رواج ہوا) تو لوگ اُردو کے ماہر بننے کے واسطے سنسکرت بھی سیکھا کرینگے۔

جب اُردو کی زباندانی چند اور زبانوں کے جاننے پر موقوف ہوئی تو اور بھی قوی اندیشہ ہے کہ جہاں عموماً مشرقی زبانوں کا علم تغیر وتبدل کی ترقی کے ساتھ تنزل پذیر ہوگا وہاں اُردو کو خاص ضرر پہنچیگا۔ ہم کو اس ضرر کے روکنے کی بعض تجویزیں پیش کرنی ہیں۔

اس تنزل کے روکنے کا ایک سبب تو قدرتی طور پر موجود ہوگا اور انسانی فطرت سے اُمید پڑتی ہے کہ وہ سبب کم و بیش ہمیشہ وہ زباندانی کی امداد کیا کرے گا۔ وہ سبب نوع انسان کا اختلاف مذاق ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ سب تعلیم یافتہ لوگ معقولی یا علوم تجربیہ کے دلدادہ ہی ہوجائیں۔ کچھ لوگ علم ادب سے بالطبع شوق رکھنے والے ہمیشہ موجود رہینگے اور چونکہ یہ اُمید قوی ہے کہ ہماری زبان اُردو ہی رہیگی اس لیے اسکے ادب کو پڑھنا کچھ بڑی محنت بھی نہ چاہیگا اور جو ... اس میں خاص ملکہ پیدا کرنے کے لیے درکار ہے وہ بوجہ چند صحبت ... وہ لوگ کر بھی سکینگے اس طرح چند اہلِ مذاق قوم میں ہمیشہ موجود ہونگے ... علم ادب میں کچھ لکھا بھی کرینگے اور ادب کو پڑھا بھی کرینگے۔

لیکن اگر اُردو زباندانی اور ادب دانی کو محض اس اختلافِ مذاق کے ... بھروسے پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ایک نہایت ہی متوکلانہ حالت ہوگی اور ... ادب کو ایسی حالت میں رکھکر قوم تحسین یا مبارکباد کی مستحق نہیں ہوسکتی۔

... ہر ایک ترقی یافتہ قوم کا ہمیشہ سے ایک علم ادب چلا آیا ہے ... آج کی ترقی یافتہ قومیں اور چیزوں میں ترقی کرنے کے علاوہ علم ... بھی رہی ہیں اور وہاں اچھے اچھے علمی مذاق کے لوگ علم ... ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ پس مسلمانوں کے ہاں بھی ایسے سامان

ہونے چاہئیں کہ اُن کی علمی ترقی کے زمانے میں اُن کے ہاں بھی علم ادب کا چرچا ترقی پذیر ہو۔ اور یہ نہ ہو کہ صرف معدودے چند لوگ مذاقِ ادبیات رکھتے ہوں۔ بلکہ قوم میں ادب کے قدر دانوں اور جوہرشناسوں کی بھی کثرت ہو اور ادیب لوگ جو علم ادب میں تصنیفات اور تالیفات کر کے اس علم کے ذخیروں کو وسعت دیتے ہیں وہ بھی زیادہ تعداد کے ساتھ ہوں۔

اس کی تدبیریں انگریزوں کی مثال سے سیکھ سکتے ہیں۔ انگریزی کو ٹھیک ٹھیک جاننے کے لئے بھی کئی زبانیں جاننا اور انگریزی ادب کا پورا لطف اُٹھانے کے لئے کئی زبانوں کے علم ادب سے واقفیت ضروری ہے۔ لاطینی اور یونانی کے الفاظ اس کثرت سے انگریزی میں موجود ہیں۔ کہ لاطینی اور یونانی جاننا ان الفاظ کے ٹھیک استعمال کے لئے ضروری ہوا۔ یورپ کی اور زبانوں کے الفاظ بھی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں علم ادب میں یونانی عقائد قدیمہ کی تلمیحات اور دیگر تاریخی یا روایتی اشارات اِسقدر ہیں کہ اُن کے لئے بھی یونانی اور لاطینی ادب کا جاننا لازم آیا۔

لیکن انگریزوں نے اِس کا علاج ایسا اچھا کر لیا ہے کہ شاید لاطینی یا یونانی کا ایک حرف سیکھنے کے بغیر بھی انگریزی زبان اور انگریزی ادب میں کماحقہٗ کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ کتب لغات اس قدر صحیح اور محققانہ اور ساتھ ہی اِس قدر صاف اور مختصر لکھی گئی ہیں کہ جس لفظ کی تاریخ چاہو۔ فوراً معلوم کر لو۔ علم السنہ کی کتابیں ایسی صفائی کے ساتھ اور اس قدر عام فہم لکھی ہیں کہ غیر زبانوں کی باضابطہ تعلیم پانے کے بغیر بلکہ اُن کی

ابھی تک جاننے کے بغیر اُن کے تمام ضروری ابتدائی قواعد معلوم ہو جائیں انگریزی محاورات کے اُصول مدوّن کر دیئے۔ کہ غیر ملکوں کے لوگ بھی چند روز کی محنت اور توجہ میں انگریزی محاورے پر قادر ہو جائیں۔ تلمیحات اور قصص جن کا ادب میں ذکر ہے اُن کی ڈکشنریاں الگ بنا دیں جیسی فارسی میں مصطلحاتِ وارستہ ہے (اگرچہ تلمیحات اور مصطلحات میں فرق ہے) صرف ونحو کے قاعدے ایسے علمی طریقوں سے اور ایسے جامع اور مانع لکھے گئے ہیں کہ غلطی کا موقع باقی نہیں چھوڑا۔ عروض بدیع اور بیان کی کتابیں عمدہ سے عمدہ موجود۔ اُصول تنقیدِ کلام۔ تذکرہ غرض ہر ایک فن کی کتابیں مختصر سے مختصر اور مبسوط سے مبسوط اور سب عام فہم موجود ہیں۔ کوئی ضرورت لاطینی اور یونانی سیکھنے کی نہیں ہے۔ انگریزی زبان میں ہی اُس میں پورا پورا کمال پیدا کرنے کے سارے سامان موجود ہیں۔ ایسے ہی سامان ہم کو اُردو میں پیدا کرنے چاہئیں۔ لغت میں اشتقاقِ الفاظ کی بحث عمدہ عمدہ اور جامع کتابوں میں لکھ کر شائع کرنی چاہئے۔ تلمیحات اور قصص کی کتابیں اُصولِ محاورات کی کتابیں۔ بدیع اور بیان کے ضروری قواعد کی کتابیں۔ عروض کی کتابیں۔ غرض جس جس قسم کی کتابوں کا ذکر انگریزی ذکر میں لکھا گیا وہ سب اُردو میں مہیا ہونی چاہئیں۔ اُردو زبان کا سچا دوست وہ ہے جو اس کام کا کوئی معتدبہ حصہ کر گذرے۔ اب بھی عربی اور فارسی کا علم ہماری قوم میں باقی ہے مگر آیندہ اس کے رہنے کی اُمید کم ہے۔ اب اگر کچھ سامان ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ پھر وقت نہ رہیگا میں نے بھی ایک کام ایامِ طفولیت میں شروع کیا تھا یعنی اُردو کی صرف ونحو پر ایک کتاب مولوی محمد حسین آزاد کی جامع القواعد فارسی کے طریقے پر لکھی تھی

چونکہ وہ لڑکپن سے خالص جوش میں شروع ہوئی تھی اسلئے اختتام کو بھی پہونچ گئی تھی چنانچہ وہ کتاب مکمل موجود ہے اور ارادہ ہے کہ انشاءاللہ تعالےٰ اُسپر ایک قابل نظر ثانی کرکے اور نیز اُس کی کوتاہیاں پوری کرکے اُس کو شائع کرونگا۔ اِسی طرح ایک ایک کام ہمارے نوجوان دوست اپنے ذمے لیلیں تو چند سال کی محنت کے بعد اُس قسم کی کتابیں بہم پہونچ سکتی ہیں جن سے اُردو زباندانی اور اُردو ادب کے مذاق میں ترقی کرنا آسان ہو جائے محنت کے صرف میں کفایت شعاری کرنا سائنس کا ایک نہایت قابل قدر حاصل ہے۔ اِسی کفایت شعاری کے اُصول کو ہر جگہ قابل عمل بنانا چاہیئے۔

میں اس بات کو خوب سمجھتا ہوں کہ گو ایسی کتابیں بھی لکھی جائیں پھر بھی اُردو زباندانی کے کمال کے لیئے فارسی زبان اور ادب اور عربی زبان کا جاننا ضروری ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر درجہ کمال کے سلئے اُردو کے زبان داں کو یہ کتابیں ہی مستغنی ہونگی۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ زباندانی کے خاصے اچھے کمال کو سہل الحصول کرنے سے یہ ہوگا کہ اُسکو آسان پاکر بہت لوگ حاصل کرینگے اور جب بہت لوگ حاصل کرینگے تو اُنھیں میں سے وہ لوگ بھی نکل آئیں گے جو خاص کمال حاصل کرینگے اور اس درجۂ اختصاص کے لیئے عربی اور فارسی کی طرف رجوع کرینگے علاوہ ازیں عربی ہماری قوم میں دینی حیثیت سے ہمیشہ رہیگی اور اُمید ہے کہ اُسکے ساتھ ساتھ فارسی بھی رہیگی اور اسلئے خاص شوق کے آدمیوں کو اُن زبانوں اور اُن کے ادب سے بہرۂ کافی حاصل کرنے کا موقع حاصل رہیگا لیکن جو لوگ خاصکر ایسی فرصت نہ رکھتے ہوں یا اتنی محنت اُٹھا نسکی

باعث سے گوارا نہ کر سکیں۔ کیا وجہ ہے کہ جسقدر لطف زبان اور ادب کا اشاعت کی قابلیت وہ رکھ سکیں اُن کو اُس قابلیت کے حاصل کرنے کے معقول ذریعے نہ دیے جائیں۔ علم سینہ بسینہ ہمیشہ انعدام کے خطرے میں ہے۔ احاطۂ تحریر میں آجائے تو محفوظ ہو جاتا ہے۔ سخن شناسی کے ہزاروں نکات ہیں کہ یا تو حیز تحریر میں منونا سکے نہیں۔ یا آسکے ہیں تو ایک مسلسل شکل میں یکجا نہیں۔ کوئی با مذاق شخص شہد کی مکھی کی طرح ہزاروں پھولوں کے گرد منڈلاتا پھرے تب کہیں کچھ حاصل کرے۔ چونکہ خود شاعروں اور مصنفوں کی ایک اعلیٰ غرض ہے کہ اُن کے جوہر شناس دنیا میں موجود ہوں اسلئے اُن نفائس اور نکات کو ایک مسلسل و مرتب اور مجسم شکل میں دنیا کے حوالہ کرنا خود شعرا اور مصنفین کے فائدے کے لیے ہے اور اسی سے دُنیا کو بھی فائدہ پہونچ جائیگا۔ ہم خرما و ہم ثواب اور کیا چاہئے جنس کمال کے گاہک پیدا ہوں۔ خاطر خواہ قیمت دینے والے پیدا ہوں اور لوگ اُس خالص مسرت اور اعلےٰ فلسفے سے لطف اور فائدہ حاصل کریں جو علم ادب میں ہے۔

پس میں اُردو زبان اور اُردو ادب کے تمام خیر خواہوں اور اُن کی ترقی اور استقلال کے آرزومندوں کو مخاطب کرکے مذکورۂ بالا تحریر تجویز اور تجسس اور سب سے بڑھکر اُحتق کے لئے اُن کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور دیکھتا ہوں کہ کون کون اہلِ ہمت کس کس کام کو کرکے دکھاتے ہیں ✦

نیرنگ

ایک دلچسپ بحث

حال میں جب میں الہ آباد سے لکھنؤ جا رہا تھا، اتفاق سے ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جن کی ملاقات کا مجھکو ایک عرصہ سے اشتیاق تھا یہہ صاحب مذہباً عیسائی تھے مگر لٹریچر پر ان کے احسانات اس قدر زیادہ تھے کہ ان کی وقعت میری نگاہ میں مسلمانوں سے کم نہ تھی کانپور تک میں ان کا ہمسفر رہا بہت سی باتوں کے بعد میں نے انسے یہہ بھی دریافت کیا کہ اسلام کی بابت آپ کی راے کیا ہے۔ دو سوا دو گھنٹہ تک اس موضوع پر میری ان سے گفتگو ہوئی انکا دعوے تھا کہ یورپ کا موجودہ تمدن مذہبی اصول پر مبنی ہے اور میں اس کے برخلاف تھا تاہم اسلام کی بابت انکا خیال اسقدر درست تھا کہ مجھکو ایک عیسائی کی زبان سے پیغمبر اسلام صلعم کی نسبت ایسے الفاظ سنکر بہت ہی تعجب ہوا موسیٰ عیسیٰ اور محمد علیہم السلام کی شریعت پر بحث تھی وہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اسلام کو لازم و ملزوم قرار دیتے تھے اور میں ان کے برخلاف تھا بالآخر اس منصف شخص نے یہہ اعتراف کیا کہ پیغمبر اسلام صلعم نامور تاریخی

تاریخی شخصوں میں سب سے بڑا آدمی ہے۔ مگر اُسنے میرے اقوال کی تردید میں موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی بدحالی سے استدلال کیا اور کہا کہ مذہب اسلام کی جو تعریف تم نے بیان کی ہے آجکل مسلمان اُسکے بالکل برعکس ہیں۔ میں نے کہا اسلام اور مسلمانوں کے درمیان غالباً اسیقدر فرق ہے جس قدر کہ عیسائیت اور عیسائیوں کے درمیان ہے۔ یا شاید اس سے بھی زیادہ ہو۔ ایک انصاف پسند شخص کے لیئے یہی کافی ہے کہ اسلامی تمدن کی بنیاد صرف مذہب اسلام کے ذریعہ سے قائم ہوئی اور جسقدر وہ مذہب میں بدعتیں ایجاد کرتے اور اُس کے صراط مستقیم سے منحرف ہوتے گئے اُسیقدر تمدن کا سایہ اُن کے سروں سے دور ہوتا گیا حتےٰ کہ اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے جسکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر یورو پین تمدن جس کو آجکل لوگ مسیحی تمدن کے نام سے موسوم کرتے ہیں اُس کی بنیاد اُس وقت قائم ہوئی جبکہ اہل یورپ کو مسلمانوں کے ساتھ میل جول کا اتفاق ہوا اور اُنکی کتابیں لیکر اپنی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ یورپ کی قومیں تمدن اور شائستگی میں جسقدر ترقی کرتی جاتی ہیں اُسیقدر وہ عیسائیت سے دور ہوتی جاتی ہیں۔ یہانتک پہنچ کر ہماری بحث کا خاتمہ ہوا۔

المنار

ہائے شبلی - وا حالی

بپا آج کیوں شور ماتم ہے گھر گھر زمانہ ہے کیوں نوحہ خواں مضطر
یہہ کیا تازہ آفت اب آئی ہے سر پر دل و جاں میں برپا ہے کیوں شور محشر

زمانہ نے وہ داغ دلکو دیا ہے
کہ دُنیا میں اندھیر چھایا ہوا ہے

رواں دونوں آنکھوں سے آنسو ہیں پیہم کیا دونوں ہاتوں نے ہل ہل کے ماتم
بنے مرثیہ خواں دل و جانِ پُرغم مُصیبت میں ہیں مبتلا دونوں عالم

جدا ہم سے ہیں ہائے شبلی و حالی
نہ پوچھو جو حالت ہے اب جانِ دل کی

اگر ایک تھا مایۂ فضل و عزت تو تھا دوسرا افتخار فضیلت
اگر ایک تھا خوش دل و صافِ طینت تو تھا دوسرا معدنِ حسنِ خلقت

جو شبلی سے تھی رونق بزم دُنیا
تو حالی بھی تھا وجہ عزت جہاں کا

[illegible] جہاں میں اگر گُل تھا شبلی تو حالی تھا اُس گُل کی بُو بھینی بھینی
جو تھی ایک سے اپنے دل کی تسلی تو راحت تھی دوسری ذات جاں کی

غرض دونوں جانانِ جان جہاں تھے
وہ دو ایک بے مثل جادو بیاں تھے

[illegible] روٹھکر سے اب ہا ہے وہ خفا ہو کے [illegible]
[illegible] قوم کی [illegible]
[illegible] ہائے شبلی و حالی [illegible]

ھوالناصر

اوم بائی

آئیگی موت تو ہو جائیگا درماں اپنا — جا کے مرقد میں نکل جائیگا ارماں اپنا
تجھ سے اُمید عبث تجھ سے تمنا ہی عبث — تو نہیں اور نہ ہوگا کسی عنواں اپنا

۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء کو میں بیلا پور ایک ہندو رئیس کا بلایا ہوا دہلی سے پہونچا جنھیں صدہا بیدراج اور بہت حکیم اور سترہ سول سرجن لاعلاج کہہ چکے تھے علاج شروع ہو چکا تھا اور اس بستی کے رہنے والوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ فراق دہلوی دوارکا جی سومنات [illegible] کاشی پراگ اجودھیا جی پشکر جی ہردوار بہت سے ہندو تیرتھ اور جاترا کے مقاموں پر رہ چکا ہے اور صوفیانہ خیال (ویدانت) میں ڈوبا ہوا ہے اسواسطے بہت سے ہندو میرے پاس آنے لگے اور [illegible] پرچے سننے لگیں اور [illegible] سوسائیٹی کے نت نئے قصے میرے کان میں پڑنے لگے انھیں لوگوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ایک اوجڑ گاؤں کے متصل گنگا کے کنارے ایک بائی ٹھیری ہوئی ہیں جو سنسکرت ودیا ایسی جانتی ہیں [illegible] کہ بڑے بڑے پنڈت منہ نہیں کھول سکتے ہیں اور [illegible] نت [illegible] ہے اور ان کی زبان میں یہ تاثیر ہے جس بیمار کو یا [illegible] کو دعا دیتی ہیں ان کا بھلا ہو جاتا ہے یہ بھی سنا ہے [illegible] راجہ کی بیٹی اور ایک راجہ کی رانی ہیں ان کے گھر میں ایشور

وپر ماتما ایسا بیٹھا کہ راج پاٹ کو لات مار کر سنیاس لے لیا اس آخر
کے فقرہ نے میرے دل پر اثر کیا اور میں سمجھا کہ بائی کی لائیت ضرور
عجیب ہوگی اوسنے ملنا چاہیئے ۱۵ ار اپریل کو میں تانگہ میں سوار ہوکر
اجڑ گاؤں کے پاس پہونچا اور راہبر مجھے گنگا کے کنارے بائی جی
کے استہان پر لے آیا میں نے دیکھا دریا کے قریب دو چھپر پڑے
ہوئے ہیں چھپروں کے آگے نیم کے کچھ درخت ہیں جنکے ٹہنے
ٹہنیاں ملکر ایک خاصہ سائبان بنگیا ہے انکے نیچے چبوترہ ہے اور
اوسپر بوریا بچھا ہوا ہے اور بائی جی آسن مارے بیٹھی ہیں اونکے سامنے
بہت سی ہندو عورتیں مرد حاجت مند اہل غرض حاضر ہیں بائی جی کے
پیچھے دو عورتیں ساڑہی باندہے مؤدب کھڑی ہیں جو قرینہ سے اونکی
نوکر یا چیلی معلوم ہوتی ہیں بائی جی سے جب میری آنکھیں چار ہوئیں
تو میں سمجھا پورنماشی کا چندرمان گنگا کے کنارے اُتر آیا ہے عمر تیس
برس سے کم نہ تھی مگر چونکہ گلشن حسن کو کسی گلچیں نے چھیڑا تک نہ تھا
اسلئے سر سے پاؤں تک تازگی اور بہار ایسی تھی جیسے بارہ برس کے
کنیاں میں ہوتی ہے چہرہ کا بھولاپن کہے دیتا تھا کہ حقیقت کے غلبہ نے
مجازی لطف اور لذتوں سے بالکل بے خبر رکھا ہے ململ کی آدہی ساڑہی
باندہے اور آدہی اوڑہے ہوئے تھیں ماتھے اور بازوں پر سرخ گنگا
جی کی پوتر مٹی صندل کی جگہ لگی ہوئی تھی مگر خوبصورت بدن کی جوت اوس
میں سے پھوٹ رہی تھی یا چاند کی جھلک بدلیوں سے چھن رہی تھی پیشانی
سے [illegible] تک ایک رومال سموسہ کے طور پر [illegible] بندھا ہوا تھا
[illegible] سلام [illegible] بائی جی سے بندگی [illegible]

کہ آپ اوپر آ بیٹھے میںنے دو روپیہ اپنی جیب سے نکال کر بائی جی کے قدموں کے پاس ڈالدئے مگر اونکی چیری نے وہ روپیہ اُٹھاکر مجھے دیدئے اور کہا بائی جی کسی کی نذر بھینٹ یا دکشنا نہیں لیتی ہیں میںنے بائی جی سے بہت اصرار کیا مگر روپیہ نہ لیئے چند منٹ میں سب اہل حاجت رخصت ہوگئے اور میں رہگیا تو بائی جی نے بڑے خلق سے میرا نام اور میرا وطن پوچھا اور جب میں اسکا جواب دیچکا تو فرمایا آپنے میرے پاس کیوں تکلیف کی ہے میںنے کہا صرف آپکے درشن کرنے کے لئے کیونکہ میںنے بہت لوگوں سے آپ کی قابلیت اور ویدانت کی تعریف سنی تھی میری یہ بات سُنکر بائی جی نے اپنا سر نیچا کرلیا اور دیر تک خاموش رہیں پھر تصوف کے متعلق باتیں ہونے لگیں بائی جی تو اسس کوچہ سے آگاہ تھیں ہی مگر میںنے بھی بائی جی سے ایسی باتیں کیں جس سے وہ خوش ہوئیں اور چلتے وقت کہنے لگیں حکیم جی فرصت ہو تو پھر ادھر پھیرہ کرنا میںنے اپنے دل میں کہا ۔ ؎

گو نپاؤں اسکی باتیں گو نپاؤں اسکا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھسے یہ پری پیکر کھُلا

میںنے کہا ، بیٹوں سے چھٹکارہ ملیگا تو ضرور حاضر ہونگا جب میں اُٹھا تو بائی جی نے اپنی چیلی کو اشارہ کیا وُہ دو ناریل اور چار پانچ لکڑیاں [illegible] پتلے پن میں مجنوں کی پسلیاں یا لیلیٰ کی اونگلیاں تھیں اور [illegible] بائی [illegible] اور مجھے دینے لگی میںنے یہ سب ترکاری لیلی اور کہا بائی جی جو آپ نے مجھے دیا وہ میںنے لیلیا مگر آپنے میری بھینٹ نہ لی اسکا [illegible] بائی جی نے کہا حکیم جی تم دنیا دار ہو تمھیں فقیر کا دیا ہوا [illegible]

سے لینا عیب نہیں ہے مگر ایک تارک الدنیا فقیر کو روپیہ پیسہ سے لینا بڑا پاپ ہے۔ مئی کے آخر تک میں بائی جی سے کئی بار ملا اور بائی جی کا التفات میری طرف بڑھ گیا اس ڈیڑھ مہینہ کے عرصہ میں مینے بائی جی کے کیریکٹر پہ ایک گہری نظر ڈالی اور مجھے غور کرنے سے یقین ہو گیا۔ کہ یہ ضرور کوئی امیرزادی ہے اور کوئی صدمہ اُٹھاکر اسنے یہ فقیری لی ہے ایک دن مینے دل کڑا کرکے کہہ ہی دیا کہ آپکا نام کیا ہے اور وطن کہاں ہے اور آپ کس طور سے فقیر ہوئی ہیں میں اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔

بائی جی حکیم صاحب میں سارے ہندوستان میں چل پھر آئی مگر آج تک یہ سوال کسی نے مجھسے نہیں کیا میں جہاں ٹھیری لوگوں نے اپنی ہی رام کہانی میرے آگے کہی کوئی بھبوت لیکر چلا گیا کسی نے منتر پوچھا کسی نے جنتر کا سوال کیا اور پوچھ کر لنبا ہوا کسی نے یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں کی ہو کیونکہ جو لوگ خود غرضی میں مُبتلا ہو گئے وہ کسی اور کی مصیبت سے کب واسطہ رکھیں گے ہزاروں آدمیوں میں ایک آپ مجھسے بے غرض ملے اور میرے حال کی معلوم کرنے کے مشتاق نکلے گو میرا اتا چیز حال آپکے سننے کے لایق نہیں ہے مگر ابکے پھیرہ پر میں کسی شخص کا قصہ آپ کو ضرور سُنا دوں گی۔ یکم جولائی کو میں بائی جی کے پاس پھر گیا اور اونکی بڑی خوشامد کی تو انھوں نے سلسلہ کلام اس طرح چھیڑا۔

(۲)

پشکر جی ایک تالاب کا نام ہے جو اجمیر سے ۷ میل کے فاصلہ پر

ناگ پہاڑ ہے اُدھر اُتری کی طرف واقع ہے اس مقام کو برہما جی نے عبادت کے لیے پسند کیا تھا برہما جی کا مندر سوائے پشکر کے ہندوستان بھر میں نہیں ہے اس تالاب کے کنارے پر ایک بہت بڑا قصبہ آباد ہے جو پشکر کے نام سے منسوب ہے اس قصبہ کی ساری عمارتیں چونہ گچ اور پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور اس سے چند قدم پر شمال کی طرف پہاڑ کا سلسلہ کوسوں تک چلا گیا ہے جو اگست ستمبر میں ہریاول دُوب اور قسم قسم کی پہاڑی درختوں کی سر سبزی سے بالکل زمردین ہو جاتا ہے قصبہ کی بچتہ دو منزلہ عمارت پر چڑھ کر دیکھا جاتا ہے تو پہاڑ کا ہرا ہرا عکس تالاب میں دکھائی دیتا ہے اور دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ سبز پری اپنے جوبن اور اپنے بناؤ سنگھار کو آبدار آئینہ میں دیکھ رہی ہے قصبہ کی شہر پناہ پر جب مور ناچتے ہیں اور اوپر سے چھم چھم مینہ برستا ہے تو ایک عاشق مزاج نوجوان کو یہ خیال بندھتا ہے کہ حور دشس کنچنوں کا ناچ راجہ اندر کو پسند آگیا ہے اور وہ عالم بالا کے نشیمن میں سے اونپر سچے موتی نچھاور کر رہا ہے ہندو دھرم کے یاتری جو پشکر آتے ہیں وہ اجمیر ہو کر زیادہ آتے ہیں کیونکہ اجمیر آر ایم آر کا ایسا جنکشن ہے جہاں بمبئی مدراس دکن سندھ مالوہ اور [illegible] دھر باندی کوئی نارتول پھولیرہ کی شاخیں کلکتہ نیپال وغیرہ ملکوں کے مسافروں کو اکٹھا [illegible] تی ہیں جب اجمیر سے [illegible] پشکر جی کو جاتے ہیں تو انھیں پہاڑی تانگا اور مضبوط [illegible] میں چالاک [illegible] [illegible] ہوتے ہیں ان [illegible] پہا [illegible] شروع [illegible] [illegible] تین چار میل تک پہاڑ پر چڑھنا [illegible]

سڑک سرکار انگریزی کے باقبال ہاتوں نے بنائی ہے جس میں پہاڑ بڑی صنعت سے کاٹ کر مسطح کیا گیا ہے اس سڑک کے قریب اگلے زمانہ کے رستہ کے بھی کچھہ کچھہ نشان پائے جاتے ہیں جنھیں دیکھ کر دل دھڑکتا ہے کہ اس بیڈول اور ناہموار راہ سے کیونکہ لوگ آتے جاتے ہونگے۔ جولائی ۱۸۹۲ء کی چوتھی تاریخ کو ایک تانگہ پشکر سے اجمیر کی طرف دوڑا آرہا تھا مگر کوچبین اسپر بھی گھوڑہ کو چابک سے پیٹ رہا تھا کیونکہ شام ہو چلی تھی آفتاب پہاڑ کے پیچھے جا چکا تھا اور گھنٹہ بھر پہلے جو پرند جا بجا زمین پر بیٹھے ہوئے اپنا کھاجہ تلاش کر رہے تھے اوڑ اوڑ کر اپنے آشیانوں کو چلدئے تھے اور چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے نیلے آسمان میں اوڑنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مینچسٹر کی بنی ہوئی دریس کا رنگین سائبان آسمان میں تنا ہوا ہے تیز رفتار ٹونگہ جب ایسی جگہ پہونچا کہ جہاں سے پشکر اور اجمیر آدھوں آدہ دور رہتا تھا تو ٹونگہ کا ایک پہیہ ٹوٹا اور پہیہ کے ٹوٹتے ہی کوچبین ایک طرف تانگہ ایک طرف گرا تانگہ کے ساتھ گھوڑا بھی نیچے آیا اور وہ ہات پاؤں مارنے لگا تو تانگہ کا بالکل بھرکس نکل گیا اور تانگہ کے اندر سے شور و فریاد سنائی دی اور دو عورتیں بہت دقت سے ساتھ اوسکے نیچے ہانپتی کانپتی روتی دھوتی نکلیں جو اسمیں سوار تھیں ایک عورت کوئی ساٹھ برس کی بڑھیا ہوئی دوسری عورت کی عمر پندرہ برس سے زیادہ نہ تھی اسکی ریشمی ساڑھی اور سونے کا جڑا ؤ گہنا کہہ رہا تھا کہ یہ امیر زادی ہے اس رنگین لباس اور قیمتی زیور نے اسکے حسن و جمال کو کچھہ چار چاند لگائے تھے بلکہ اس پری پیکر کی اٹھتی جوانی گورے رنگ اور ہاتھ پاؤں کی نزاکت

اعضا کے سڈول ہونے سے لباس اور گہنے کو بھاگ لگ گئے تھے یہ دونوں عورتیں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھیں اتنے میں کوچبین سر سہلاتا ہوا ٹونگہ کے نیچے سے نکلا اور اوس نے بڑی مشکل کے ساتھ گھوڑہ کے ساز کے بکسوئے کھولکر گھوڑے کو اٹھایا اور ان عورتوں سے کہنے لگا آپکے چوٹ تو کہیں نہیں آئی بوڑھی عورت بولی نہیں پرمیشر نے بال بال بچا لیا کم سن پریزاد کہنے لگی یہاں سے اجمیر کتنی دور ہے کوچبین نے کہا جتنی دور ہم پشکر سے آئے ہیں۔

پریزاد لڑکی اب کیسے ہوگی شام تو ہوگئی ہم اجمیر کیونکر پہونچیں گے۔

کوچبین بھلا صاحب میں کیا بتاؤں ٹونگہ میرا نہیں ہے سیٹھ جی کا ہے جب وہ سُنیں گے کہ ٹونگہ ٹوٹ کر آزاد ہوگیا تو رام جانے مجھپر کیا انت توڑینگے اور تنخواہ کے نام ادھی بھی نہیں دینگے۔ اس قسم کی دو چار باتوں میں شام آگئی اور پہاڑ کی سرسبزی ہولناک سیاہی کے رنگ میں تبدیل ہونے لگی ٹونگہ والا چُپ بیٹھا ہوا تھا اور عورتوں کا کلیجہ جنگل اور پہاڑ کے سناٹے سے دہلا جاتا تھا وہ سُن چکی تھیں کہ پشکر جی کے ارد گرد گونڈ بھیل لٹیری قومیں رہتی ہیں اور اکیلے دوکیلے مسافر کو تو جیتا چھوڑتے ہی نہیں زیور اس وقت پریزاد لڑکی کے لیے وبال جان ہوگیا تھا جب اندھیرا زیادہ ہوا تو یہ دونوں عورتیں چیخیں مار مار کر رونے لگیں مگر اس اوجاڑ میں کون بیٹھا تھا جو انکی ہمدردی کے لیے نکل آتا یکایک پریزاد لڑکی کو کچھ خیال آیا اور اوس نے پشکر جی کی طرف مُنہ کر کے کہا اے میری بر ہماجی اے سری پشکر جی مجھے تو میرے ماتا پتا دونوں دکتے

تھے کہ تو اکیلی نہ جاتا مگر میں آپ کے تیرتھی کے شوق میں چلی ہی آئی اب آپ مجھے کسی چیتہ یا شیر کو کھلائیں گے یا میری جان آبرو کسی چور سے برباد کروائیں گے اے مہاراج میری جلدی مدد کیجئے لڑکی ابھی دعا میں مشغول تھی جو ایک گاڑی کے آنے کی آہٹ ہوئی اور کوئی بیس منٹ میں دو تانگے آگے پیچھے پشکر کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے ان عورتوں کا تانگہ بیچ سڑک میں ٹوٹا ہوا پڑا تھا اس لئے جب وہ دونوں ٹونگہ پاس آئے تو ایک دم سے رک گئے اور ٹوٹے ہوئے تانگہ کے کوچبان سے ان آنے والوں ٹونگہ کے کوچبانوں سے بات چیت ہوئی اس کوچبان نے کہا میری تانگہ کی سواریاں دکن کی رہنے والی دو عورتیں ہیں اس بات کے سنتے ہی ایک نوجوان مرد پھرتی کے ساتھ ٹونگہ میں سے اترا اور اسنے پاس آکر ان دونوں عورتوں کو غور سے دیکھا اور اسے یقین ہوگیا کہ یہ ملک دکن کی رہنے والی ہیں اس نے تلنگی زبان میں عورتوں سے پوچھا کہ دکن میں آپ کس مقام کی رہنے والی ہیں۔

بوڑھی عورت ہم بیدر کے رہنے والے ہیں یہ لڑکی راجہ **گھنشیام سنگھ** کی بن بیاہی بیٹی ہے جو علاقہ بیدر کے ایک مشہور رئیس ہیں اور انھیں راجہ کا خطاب ہے آنکھوں سے اندھے ہوگئے ہیں اور رانی اور بچوں کو لیکر آجکل تیرتھ جاترا کے لیے دکن سے ہندوستان آئے ہیں اور اجمیر میں ٹھیرے ہوئے ہیں سفر کی تکان سے کچھ طبیعت خراب ہے اسلئے وہ اور انکی رانی پشکر جی نہیں آسکے یہ لڑکی ہٹ کرکے چلی آئی میں پشکر جی سے پلٹتے ہی ٹونگہ ٹوٹ گیا اب

میں اور یہ جنگل میں بیٹھے رو رہی ہیں۔ نوجوان بوڑھی عورت سے تلنگی زبان میں جواب سُنکر خوش ہوا اور کہنے لگا آپ گھبرایئے نہیں ہمارے پاس دو تانگہ ہیں ایک تانگہ میں ہم سب مرد بیٹھے جاتے ہیں اور ایک تانگہ آپکے لیے خالی کئے دیتے ہیں اوس میں آپ سوار ہوجایئے اور ہمارے ساتھ چلیے ہم آپ کو آپکے مکان پر آرام سے پہونچا دینگے جہاں آپکے ماں باپ ٹھیرے ہوئے ہیں۔ ان باتوں میں دونوں ٹونگہ والوں نے اپنی اپنی ڈبل لال ٹینیں روشن کرلیں اور اوس نوجوان امیرزادہ کا خدمتگار ایک برقی لال ٹین جلا کرلے آیا پانچوں لال ٹینوں کی روشنی سے سڑک پر دن نکل آیا اور اس پریزاد لڑکی کی اس نوجوان سے چار آنکھیں ہوئیں پریزاد لڑکی نے دیکھا کہ ایک بیس برس کا جوان رعنا انگریزی بانا پہنے ہوئے بغل میں تلوار دبائے کھڑا ہے جس کی آنکھوں کی حرکت تلوار کی دھار سے کم نہیں ہے بدن سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے ادھر اس نوجوان نے لڑکی کو دیکھا اور دیکھتے ہی اوس کے جگر میں عشق کا نشتر چبھ گیا ایک نے دوسرے سے بات چیت نہیں کی مگر بے بولے چالے ہی ہزاروں سوال جواب ہوگئے۔

نوجوان (بوڑھیا سے) کیوں مائی تمہارا کیا نام ہے۔

بڑھیا حضور مجھے کندن کہتے ہیں۔

نوجوان آپ برہمنی ہیں۔

کندن جی مہاراج۔

نوجوان اور تمہاری راج کماری کا کیا نام ہے۔

کندن جی حضور ان کا نام اوم بائی ہے۔

نوجوان میں ان کے سارے گھرانے سے واقف ہوں کیونکہ ہم اور یہ لوگ سورج بنسی ہیں۔

کندن۔ مہاراج آپ کا کیا نام ہے اور دکن میں آپ کس شہر کے رہنے والے ہیں۔

نوجوان میرا نام رام سنگھ ہے اور صوبہ دکن میں پٹیم گڈھ کا رہنے والا ہوں۔

کندن رام سنگھ تو پٹیم گڈھ کے راجہ کا نام ہے کیونکہ میرا بھتیجہ اسی راجہ کی سرکار میں نوکر ہے۔

رام سنگھ میں وہی رام سنگھ ہوں۔ اچھا آپ دونوں راج کماری ٹونگہ میں سوار ہو جائیں کیونکہ اندھیری بڑھتی جاتی ہے اور پہاڑ کا رستہ ہے۔

کندن مہاراج آپنے ہم پر بڑی دیا کی۔

راجہ کچھ دیا کی بات نہیں ہے اول تو ہم تم ایک دیس کے رہنے والے پھر راجگنشیام سنگھ کا اور ہمارا ایک خون یہ ہوسکتا تھا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے اور اگر ہم آپ ایک دیس ایک خاندان کے نہوتے تو بھی انسانی ہمدردی کے خلاف تھا کہ دو کمزور بیکس عورتیں رات کے وقت بیابان جنگل میں دوہائی دیں اور مرد اور مرد بھی راجپوت جن کی گھٹی میں مروت اور غیرت گھولکر ڈالی گئی ہے وہ انھیں چھوڑ کر چلا جائے

اوم بائی اور کندن برہمنی کو راجہ رام سنگھ نے ٹونگہ میں سوار کر دیا اور اون کا تانگہ آگے کر لیا پھر دوسرے ٹونگہ میں مع نوکروں کے آپ سوار ہوئے اور دس بجے رات کے اجمیر پہونچے اور جب تک دونوں عورتیں اپنے مکان میں چلی نہ گئیں باہر کھڑے رہے کندن نے راجہ صاحب

سے کہا کہ آپ بہی ہمارے ساتہ آئیے بشرا اوم بائی سے کہتا سے بیٹے
مگر انہوں نے کہا اسوقت مہاراج کو تکلیف ہوگی رات بہت گئی ہے
صبح آکر ملونگا اوم بائی کے باپ گھبرا رہے تھے اور رانی جی سے
کہہ رہے تھے کہ اوم بائی بڑی ضدن لڑکی ہے پروہتنی کو ساتھ لیکر
پشکر جی چلی گئی نہ ہمارا کہنا سنتا نہ تمہارا یہ ہندوستان کا ملک ہے
دس بجگئے رات اندھیری ہے اور ابتک نہیں آئی پرمیشر خیر کرے جو
اس میں اوم بائی اور کندن پہونچ گئیں اور رستہ کی مصیبت راجہ
رام سنگہ کی ہمدردی بیان کی راجہ گھنشیام سنگہ نے کہا اوم بائی تنے
غلطی کی جو ایسے بھلے آدمی اور رئیس کو گھر تک نہ لائیں اور باہر سے
باہر ٹال آئیں اول تو وہ ہم سے حیثیت میں بہت بڑے رئیس ہیں
پھر ہمارے گوت کے بھائی ہوتے ہیں۔ تیسرے تمہاری جان آبرو
بچائی اونکا بڑا شکر ادا چاہیے تھا۔ (باقی دارد)

حسرت حکیم ناصر نذیر فراق از شہر دہلی رہو گراں در سالہ دتمندخاں مکان میر ظریف مرحوم

غزل

اوٹھ کے چہرے سے نقاب یار آدھی رہگئی
آدھی نکلی حسرت دیدار آدھی رہگئی

ایصنم کل بتنگ تھا صبح اس کے روبرو
آج کیا ہے سرخی رخسار آدھی رہگئی

نصف کیوں اُلٹی نقاب رخ جاناں اےصبا
میرے دل میں حسرت دیدار آدھی رہگئی

مضطرب کیوں ہے دل ناداں شب غم بقدر
بات تو اب ملے مے غمخوار آدھی رہگئی

سکھلے میں دشمن بد بیں ہوا آکر مخل
ہوکے اوسنے وصل کی گفتار آدھی رہگئی

شکل میری دیکھکر کہتے ہیں سب احباب یوں
تیری صورت ہجر کے بیمار آدھی رہگئی

نیم بسمل کرکے روکا ہاتھ اے قاتل عبث
کیوں نکلکر جان سے تلوار آدھی رہگئی

نیم شب کو نیم راضی وہ ہوئے باسط عبث
رات آدھی رہ گئی تکرار آدھی رہگئی

صبحِ صادق

ہے صبح کا کیا سماں سُہانا — گویا ہے طلسم جا ودانا
وہ نُورِ سحر کی آمد آمد — وہ مرغِ سحر کا چہچہانا
کہسار کا منظرِ دل آویز — انوارِ شفق کا رنگ لانا
وہ حُسنِ ملیح سبزۂ تر — بیگانہ بھی لو ہوا یگانا
وہ گھاس کے فرشِ مخملی پر — پھُولوں کا ہنستا مُسکرانا
وہ اُوس کے موتیوں کی چادر — فرّاشِ صبا کا لا بچھانا
اشجار کا جھومنا ہوا سے — شاخوں پہ گلوں کا سر ہلانا
ہونا وُہ جہاں کا بقعۂ نُور — سُورج کا اُفق سے سر اُٹھانا
وُہ رقصِ نسیمِ صُبحگاہی — مُرغانِ سحر کا وُہ ترانا

از سینہ برآورد نفیرم
بر عرش ہے بروصفیرم

کیا صُبحِ بہار مُسکرائی — سوئی ہوئی جاگ اُٹھی خدائی
ٹُوٹا وہ طلسمِ خوابِ نوشیں — گویا ہوئی موت سے رہائی
چڑیاں ہیں خوشی سے چہچہاتی — ہیں بلبلیں محوِ خوشنوائی
بستی میں ہے دُھوم نامِ حق کی — چرواہے نے بن میں تان اُڑائی
دیکھو کیا ابر نے بنایا — جھُولا کہسار پر ہوائی
تنتے ہیں چنار و سرو و شمشاد — دکھلاتے ہیں شانِ کبریائی
گاتے ہیں پرند، پھُول ہنستے — فوّاروں نے دُھوم ہے مچائی

پانی کا بھی عجیب ہے نظارہ / یہ آب و تاب یہ صفائی
تالاب میں پھول ہے کنول کا / آئینہ ذوق خود نمائی

تاروں سے بھی بڑھ گئے ہیں گلِ تر
ہے ناز زمیں کو آسماں پر

منظر ہے یہ کیا ہی پیارا پیارا / دلکش، دلچسپ اور دل آرا
کہسار کی اونچی چوٹیوں پر / وہ چاند کا آخری نظارا
یہ نور عجب ہے جس کے آگے / اب چاند رہا نہ کوئی تارا
وہ شب کی سماں ہوئی ہے رخصت / ہے نور جہاں میں محفل آرا
سورج تیرست نور سے جہاں میں / ہر چیز کے روپ کو نکھارا
آکاس کا کیا چمک اٹھا بحر / بے حد بے انت بے کنارا
عالم پہ ہے بیخودی سی طاری / دیکھے جسے دید کا ہو یارا
گلشن میں پرند نعرہ زن ہیں / چشموں نے زمیں سے جوش مارا
جنگل، بن، باغ، شہر، کہسار / ایک ایک بجائے خود پکارا

از نشۂ دوست حسن مستیم
ما میکش بادۂ الستیم

قدرت نے تو ہے کتاب کھولی / آتی نہیں پر کسے یہ بولی
پھولوں کے پیام پر صبا نے / غنچوں کی گرہ زباں سے کھولی
ہیں صحنِ چمن میں گل پرشاں / کھیلی گلشن میں کس نے ہولی
دامانِ نسیم کو ٹٹولو / پھولوں سے بھری ہوئی ہے جھولی
گلبن کا ابھار پر ہے جوبن / کلیوں کی ہوئی ہے چاک چولی
شاخوں پہ پھدکتے ہیں پرندے / ہیں انکی ادائیں بھولی بھولی

غنچہ نہیں شاخ یاسمیں پر — ہے شاہدِ گلستاں کی ڈولی
بلبل کی الاپ دلنشیں ہے — کیا پیاری ہے عاشقوں کی بولی
سنبل نے زلف کو سنوارا — نرگس حیراں نے آنکھ کھولی

یہ قابلِ دید ہے نظارا
شاہد پردے میں آشکارا

نت روپ نیا دکھانے والا — نت رنگ نئے میں آنے والا
جاندار کو کرنے والا بیجاں — بے جان کو پھر جلانے والا
ہر چیز سے آپ ہو کے باہر — ہر چیز میں خود سمانے والا
لب تشنہ زمیں کو دیکے پانی — یہ سبزہ و گل اُگانے والا
اس خاک کو دیکے صورتِ پاک — افلاک کا سر جھکانے والا
پھل پھول ہزار کرکے پیدا — الوانِ نعمت بچھانے والا
اک کن میں نظام کرکے موزوں — یہ بزمِ کہن سجانے والا
تاروں کو سما میں کرکے روشن — انوارِ ازل دکھانے والا
ثابت ہیں تو ہیں اُسی سے قائم — سیار تو وہ چلانے والا

ہر چیز میں ہے ظہور اُسیکا
صبح صادق میں نور اُسیکا

صادق - از کشمیر

مخصوص امراض مستورات کیلئے

اکسیری و دافع علاج

بچہ تولد ہونیکے وقت یا اسکے بعد بے احتیاطی کی وجہ پرہیزی عمل میں آنیسے اگر کوئی مرض پیدا ہوگیا ہو جس سے مریضہ کی حالت ابتر ہو چلی ہو۔ سیلان یعنی جریان یا اخراج مادہ تولید یا کثرت ایام یا لہو سیر خونی ہو۔ یا اور کوئی عرض ان حالتوں میں چندر پربھا گولیاں ہم سے منگوا کر استعمال فرمائیں ان کے کھانیسے حسب منشاء بہت فائدہ ہوکر تندرستی حاصل ہو جائے گی۔ اگر ایام معمولی بند ہوں یا کمی کیساتھ آتے ہوں یا مادہ تولید کی کمی ہے یا گھر کے کام کی مصروفیت و کی ورزش کم ہونے سے کمزوری ہوگئی ہو یا بعض اندرونی وجہ سے یا مادہ تولید کے نقص سے اولاد نہ ہوتی ہو تو ہماری

آتنک نگرہ گولیاں

نوش فرمائیں جس سے جملہ شکایات دور ہوکر تندرستی و چستی حاصل ہوسکتی ہے اور آپ اپنی مرادیں جلد کامیاب ہوسکتے ہیں۔

نوٹ ہر مریضہ کی تمام شکایات پوشیدہ رہتی ہیں ترکیب استعمال کا پرچہ ہمراہ دیا جاتا ہے قیمت آتنک نگرہ گولیاں فی ڈبیہ ۳۲ گولیاں ایک روپیہ

چندر پربھا فی ڈبیہ ۶۰ گولیاں ایک ۔

ملنے کا پتہ ویدشاستری جام نگر۔ کاٹھیاواڑ۔

ایجنٹ مسرز امیر چند وزیر چند عطار کناری بازار دہلی

نمبر ۲۱ نوٹ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری ۱۹۳۱ء کی خوبصورت تیار ہوئی ہے مفت شریف پڑھے لکھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری بذریعہ ڈاک بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

طاقت بڑھانیوالا پھل

کولا نٹ ایک افریقہ کا ایک نہایت قوت دینے والا پھل ہے زیادہ فکر یا محنت کی وجہ سے یا غم و بیماری و تبدیلی آب و ہوا کے سبب سے اگر کمزور ہو گیا تو اسکو استعمال کیجیے نئی طاقت پیدا ہوتی ہے یہ دم کو بڑھاتا ہے۔ اس لیے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی کشتی کسرت گانا پڑھنا پڑھانا وغیرہ کاموں میں پہلے اسکو استعمال کرنے سے دم نہیں پھولتا۔ ہول دل۔ دھڑکن کو روکتا ہے رات کو جاگنا ہو تو اسکو پی لیجئے تکان نہیں ہوگا یہ شراب اور افیون کی عادت کو چھڑاتا ہے مفصل حالات فہرست بلا قیمت منگا کر دیکھئے قیمت ۲۴ گولیوں کی شیشی ایک روپیہ محصول ۵؍

اصلی پیپر منٹ کا تیل

پیپر منٹ کا تیل درد بدہضمی اور ریاح کے فساد کے لیے ایک بہت ہی مشہور دوا ہے یہ پیپر منٹ سے کھینچ کر بہتر اور مفید ہے۔ اسی پیپر منٹ میں تارپین کا تیل ملا کر ایک کی تین تین شیشیاں بنا کر لوگ بازار میں چار آنہ اور چھ چھ آنہ پر بیچتے ہیں قیمت آدھ اونس شیشی ۱۰؍ آنہ اور محصول ڈاک وغیرہ ایک شیشی سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵؍

ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوافروشوں سے مل سکتی۔ ورنہ کارخانہ سے طلب کیجئے

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنیکا سبب یہ ہے کہ ایک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجہ ظلم سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں اجاڑ ہو گئے شہر کے شہر تباہ ہو اسوجہ سے اس کے نام ہی سے دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہونیکے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے لیکن بنظر حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ سے بچاؤ کی گولیاں منگوا کر مزہ رکھیں۔ اس گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کیڑے نہ جی سکتے اور نہ انکا زہر اثر کر سکتا۔ وقت بوقت ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں آپ بھی غافل نہیں۔ ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ کھائیں بچوں کو نصف یا چوتھائی قیمت ۲۴۔ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲؍ محصول ڈاک ایک سے دو ڈبیہ ۵؍

وقت پر صلاح

جو دوست ہوتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کے لیے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آ گیا ہے اس موسم میں کہانے پینے کی بے احتیاطی کے باعث ہیضہ ہونیکا خوف رہتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے پہلے ہی ایک اصل عرق کافور منگوا کر اپنے گھر میں ڈال رکھیں جس سے اپنی یا پڑوسیوں کی وقت پر حفاظت ہو سکے۔ یہ اصلی عرق کافور عرصہ تیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے یہ عرق گرمی کے دست پیٹ کے درد و قے کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے قیمت ایک شیشی ۸؍ محصول ڈاک ایک شیشی سے تین تک ۵؍

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

جلد (۲) فروری ۱۹۱۵ء نمبر (۵)
رجسٹرڈ ایل نمبر (۵۹۰)

تمدن

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹرز - شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا - محمد عبدالراشد الخیری

فہرست مضامین

باہتمام محمد عبدالراشد الخیری کے
تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا
قیمت سالانہ قسم اول ؎ قسم دوم ؎ - قیمت فی پرچہ ۴/ - مکتبہ جامعہ دہلی

عصمت

دہلی

جہاں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ تعلیم نسواں ترقی کا پہلا راز ہے وہاں اکثر بزرگان قوم نے یہ بھی مان لیا ہے کہ خواتین کے مطالعہ کیواسطے عصمت ایک نعمت ہے جسمیں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی فلاح و بہبودی ملحوظ ہے کنواری لڑکیوں کیواسطے عصمت سے بہتر سہیلی عصمت سے بہتر شفیق رفیق عصمت سے بہتر ناصح صلاح کار ملنا ناممکن ہے عصمت اُن کو بتائیگا۔ کہ کنوارپنے کی زندگی اُن کو کس طرح گزارنی ہے۔ ماں۔ باپ کا ادب بہن بھائیوں کی خدمت بڑوں کی تعظیم چھوٹوں سے محبت انکا فرض منصبی ہے جس نئی دنیا میں اُن کو شامل ہونا ہے اس کیلئے انہیں کیا طیاری کرنی ہے جو جو دقتیں اُن کو پیش آئیں گی اُن کو کس طرح رفع کرنا ہے۔ ساس نند وغیرہ کے ساتھ اُن کے تعلقات کیسے ہونے چاہییں غرض ان کی آیندہ زندگی کو تمام خطرات سے بچا کر پر لطف با اطمینان بسر کرانے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں وہ بیاہی ہوئی لڑکیوں کو خانہ داری گھر کے حساب کتاب بال بچوں کی پرورش میں سب سے زیادہ جس چیز سے مدد مل سکتی ہے وہ عصمت ہے عصمت اُن کو بتائیگا کہ جس آمدنی کو وہ بے تامل عیش و عشرت میں خرچ کر رہی ہیں وہ کس محنت و مشقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچے قدرت نے اُن کے سپرد کیے ہیں اُن کی ذمہ داریاں اُنپر کیا ہیں کیا طریقہ ہیں جن سے وہ بچے پل پلا کر جب گھر بار والے ہوں گے تو عزت سے زندگی بسر کریں گے اور عمر بھر اپنی ماؤں کو دعائیں دیں گے عصمت بتائیگا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے روپیہ کس طرح صرف کرنا ہے خاندان کیساتھ کیونکر بسر کرنی ہے۔ غرض عصمت لڑکیوں کی سچ مچ کی بیگم بنائے گا۔

ٹائٹل پیج کی آب و تاب سنہری بیل درجہ اعلیٰ کا کاغذ۔ ہاف ٹون تصاویر تنہائی میں دل بہلانیوالا فرصت میں کہانیاں سنانیوالا۔ مذہب کی وقعت بڑھانیوالا عصمت سے بہتر ذریعہ اور کیا ہوگا عصمت کا ایک ایک حرف گوہر آبدار ہے ہر مہینہ (۶۴) صفحے کا رسالہ کوڑیوں کے مول ہوتی ہیں سالانہ قیمت ۲؎

منیجر عصمت، وتمدن، دہلی

تمدن

بوسۂ ندامت

(ایک فاحشہ کے مکان پر)

سنہ، مہ جبین، یہہ، چاندسی صورت، رسیلی آنکھیں، شام سے، میرا دل بے چین کر رہی ہیں، آہ، یہہ، پھول سے رخسار، مجھکو تباہ کئے دیتے ہیں، مار ڈالے ہیں، گئے۔ مار گئے۔

سنہ حسینہ، بھیجر جمکر، میرے، گلے میں، یہہ بلوریں، ہاتھ ڈالدے، آہ، اسے، مہوش میرے قریب آ، اجازت دے، نازنین، اس موہنی صورت کو سجدہ کروں، منہ سے بول، اسے مہوش، میری التجا، قبول کر، رات، وہی ہے، زیادہ گذر چکی، حکم دے رات کا بقیہ حصہ، وہ وقت، جبتک، بلبل خوش الحان، صبح کا پیغام ... تیری، خدمت میں، گذار دوں، جواب دے، اسے آسمانی ... کرم کر، میں مسافر ہوں، مہمان ہوں۔

چاندی کا سکہ۔ دس روپیہ، اس حسن خداداد کی اجرت،

ان، گلاب سے پھولوں کا معاوضہ، ان، ظالم آنکھوں کی، نذر،
قبول کر، ممنون کر۔

شراب کا دور، شروع ہوگیا، حسینہ، کی قاتل آنکھیں، سرخ
ہوکر، اور بھی، سفاک ہوگئیں، دو بج چکے تھے، چشم سرگیں، نشہ
میں چور، نیند سے مجبور ہوئی، زلف سیاہ، میرے ہاتھ پر لہرائی،
اب حسینہ کا سر، میرے زانو، پر تھا۔

قدرت، اس صنعت پر، ناز کر سکتی ہے، یہ ایک پھول ہے
بھونرے اس کے گرد، جھومتے ہیں، شہد کی مکھیاں، ان نازک لبوں پر
بھنبھناتی ہیں، ہوا، ان کالے ناگوں سے کھیلتی ہے،

کیسا، سرسبز و شاداب چمنستان پیش نظر ہے، اس باغ کا
ہر پھول، خوشنما، ہیں، ایک، ادھیڑ عورت کے شکوے شکایتوں
میں، راتیں بسر کرنیوالا، انسان، آج، دُنیا، کی، بیش بہا، جنت
میں ہوں۔

ہشیار ہو، اے حسن کی دیوی، آنکھ کھول، اجازت دے،
کہ ان، شگفتہ پھولوں کو، سر پر رکھوں آنکھوں سے لگاؤں،۔

تین بج رہے تھے، حسینہ نے آنکھ کھولی، ایک بجلی، تڑپ، کر
چمکی، اور چمک کر گری، دل، اور جگر، دونو، تڑپ رہے۔ یک رشتہ
تھی، جذبۂ فطرتی، جس نے ان نیم وا، آنکھوں، تک پہونچا دیا،
موتیوں سے، آبشار، پہاڑ، کی چوٹیوں سے گزر رہے تھے، ایک

ہلکا سا دور، اور، چلا، اور، چشم، نرگسی، مست مؤثر، بند ہوئی۔

وہی زلف سیاہ میرے ہاتھوں پر تھی۔

زندگی، کا انتہائی مقصود، دنیا کی بہترین کامیابی، یہہ مجسم حسن دو گھنٹہ، کا اور، میری، آنکھوں میں مہمان ہے، یہہ جڑا ؤ نالا، جو اس کے کھلے ہوئے سینہ پر لوٹ رہی ہے۔

آہ! صبح کا پیغام سے آئی، بالیوں کے پھول باسی ہوئے، زیور، ٹھنڈا، پڑ گیا۔

کیسا، اچھا وقت، اور تاروں بھری رات ہے، کاش، باقی عمر اس صورت کی پرستش میں بسر ہوتی۔

مملکت حسن، پر سکہ چلانے والی، ملکہ، بیدار، ہو، ایک نو وارد، تیرے، دربار، میں، حاضر ہوا ہے، تیری، حکومت، کا مداح، تیری، سلطنت، کا معترف۔

یہہ چند لمحہ، کی کھلی ہوئی کلی، ایک دریائے لطافت، ہی، جو بہہ رہا ہے، گلاب کے دو پھول، دونوں آنکھیں، کنار دریا پر جھوم جھوم کر، اپنا، منہ، چوم رہے ہیں، ہوا، انکو، مسرسرا رہی ہے، ایک عالم، بیخودی ہے، اور، اس، تصویر کا ہر عضو، دوسرے عضو، کا دلدادہ، تحیر میں، بیہوش ہے۔

پانچ، بج رہے تھے، ہاتھوں، کے، گجرے مر چکے تھے، مگر، مہک، باقی تھی، اور، میرے، مسخر، دل پر، تیر برسا رہی تھی، حسینہ، نے، پھر آنکھہ کھولی، ایک انگڑائی لی، اور، خاموش ہو گئی، اب وہ، شراب جس نے، رات بھر، ساتھہ دیا، زہر تھی، جو ہاتھ،

تمام رات، آگے بڑھنے کو، جھجکے، منت کر رہے تھے، سر، پاؤں پر تھا، اور ایک، جام، کی التجا، شمع، میری، حالت زار، پر، منتظر ہی تھی۔ مگر، حسینہ، کا پتھر دل، موم، نہ ہوتا تھا۔

ظالم حسینہ، اتنا ظلم نہ کر، میں، بیگناہ ہوں، میں سے، معاوضہ دینا، بھی اپنے ہاتھ کو اس قابل نہ سمجھا، کہ اسے سیمتن، سے تجھے ہاتھ لگاؤں، میرے ارمان، میری اُمنگیں، اب تک میرے دل میں ہیں لرزاں، دل، تیری، نزاکت کا، مفتوں، حسینہ، میں نے رات بھر تیری پرستش کی ہے، کیا میں، اتنی اعانت کا مستحق نہیں ہوں، کہ، گو صبح ہو گئی۔ مگر ایک آخری جام۔۔۔ . . . . . .

"جو وقت تم نے مقرر کیا تھا، وہ پورا ہوا، اگر تم۔ اور، دو پیسہ، دے سکو، تو میں حاضر ہوں، ورنہ، ایسے ایسے، عاشق، روز، آتے ہیں، اور جاتے ہیں، تڑپتے ہیں، اور مرتے ہیں"۔

اِدھر، یہہ فقرے ختم ہوئے، اور اُدھر حسینہ، بجلی، کی طرح، سناٹے سے، نکل گئی۔۔

او، بیوفا آنکھوں، والی حسینہ، میرے پاس، صرف، یہ دو روپیہ اور ہیں، ایک دفعہ، رسیلی، آنکھوں سے، درشن اور کر لینے دے۔

بہت اچھا، آپ کو، یہہ آنکھیں، بہت پسند آئیں، حکم ہو، تو نکال کر، حاضر کردوں۔

سنگدل، مہ جبین، میں، اِن آنکھوں کا دشمن، نہیں، شیدا ہوں، یہہ میرا کام ہے کہ، میں، انپر قربان ہوں۔

اے ہی، قاتل، آنکھوں کا، صدقہ، چند لمحہ، میرے پاس، بیٹھ جا،
بہتر ہوگا۔ کہ آپ شب کو، تشریف لائیں، مجھے، اس وقت،
ایک اور صاحب سے ملنا ہے، آپ دیکھتے ہیں، سات بج رہے
ہیں، صرف، آدھ گھنٹہ باقی ہے، اسی میں، مجھکو، نہانا بھی ہے،
کپڑے بھی، بدلنے ہیں۔ اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اچھا، رخصت،،۔

اے، مہ جبین، ایک روپیہ، اور موجود ہے۔ دُور سے شکل دکھا
دے کہ، ایک دفعہ، قدرت کے، اس صریح ظلم، تیری، آنکھوں کو
اور، دیکھ لوں

مجھے، حاضر ہونے میں، کیا عذر ہے، مگر، روپیہ۔۔۔۔۔۔۔
آپ کہہ رہے تھے۔۔۔۔۔ تم نہایت دھوکے باز آدمی
ہو، مجھے، بلاوجہ حیران کیا،۔

تو۔۔۔۔۔ مجھے، زیادہ بات کرنے کی فرصت نہیں۔

ظالم آنکھیں، میری، آنکھ سے، اوجھل، ہوگئیں، ایک دفعہ،
اور، پرستش کی کوشش کی، مگر بے سود، صدائیں، بیکار، گریہ
وزاری، فضول تھی، وُہ صورت، خواب، اور وہ باتیں، خیال
ہوگئیں، رات کا سماں، آنکھوں میں تھا، مگر، جس جسم کی رونق تھی،
سکانشان، نہ ملتا تھا، دُنیا، آنکھوں میں، اندھیری تھی، وہ، رسیلی
متوالی، آنکھیں، جو، رات بھر، ذبح کرتی رہیں۔ نظر، نہ، آتی تھیں،
بیہوشی، ہشیاری، منت، گریہ وزاری، بہت سی، کیفیتیں،
گئیں، لیکن، بیوفا، حسینہ، آکر نہ پھری،۔

دوپہر کے قریب، جب، حالت، زیادہ، خراب تھی، اور، دل، بیساختہ، سجدہ، مہوش کی، صدا دے رہا تھا، ایک سپیدہ پگڑ، سامنے آیا، اور، کرخت آواز سے کہا۔

"بہتر ہوگا، کہ، تم سفے الفور، یہاں سے غارت ہوجاؤ"

چلو، چلو، اٹھو، نکلو۔

کیسا، ظالم، ملک الموت، وحشی، بدتہذیب، سنگدل، روسیاہ تھا، دم بھر، نہ ٹکنے دیا، اور یہہ جسد خاکی، ترستا، پھڑکتا، ایک سمت، روانہ ہوا۔

دل، حسینہ کا کلمہ پڑھ رہا تھا، اور، زبان عالم خیال میں اس، حسن خداداد، کی، داد، دے رہی تھی، نزع کی کیفیت، تھی، جنگلوں کی، خاک چھانی، باغوں میں، ٹکریں ماریں، مگر، کسی طرح، تسکین، نہ ہوئی، کائنات، کی ہر شے، حسینہ کی یاد، تازہ کررہی تھی، دن اسی حالت میں بسر ہوا، شام سے قریب، جب، اطمینان کی کوئی صورت منظر نہ آئی، رات کا پیش خیمہ سر پر آپہونچا، تو اس توقع پر، کہ، شاید، کچھ، نقدی میسر ہوجائے، اور، رات، پھر، حسینہ تک پہونچا دے، گھر کا رخ کیا۔

محلے کے بچے، آزادی، کا لطف اٹھا رہے تھے، اور عصمت کی بکیں، دیویاں، کچھ رانڈیں، کچھ زمانہ، کی، ماریاں، برقعے اوڑھے بنیوں کی، دوکانوں پر، سودا سلف، خرید رہی تھیں، اب ایک دوسرا عالم تھا، یہہ چاند، سے ٹکڑے، ظاہری، آنکھوں میں، بدنما

بے عزت، غریب، مفلس تھے، لیکن، چشم بینا، انکی، روشنی، تمام دنیا میں دیکھ رہی تھی۔ گھر کے، پاس، فاقے، والا، چھپے بیٹھا تھا۔ اور، بچے چاروں طرف جمع تھے۔ ان میں، ایک میری پانچ برس کی، معصوم بچی، جو قدرت کی، امانت، اور چند روز کی، میرے پاس، مہمان تھی، اس لیئے کہ اس کے پاس: پیسہ نہ تھا، کھانے والے بچوں کا، منہ، مڑ مڑ، دیکھ رہی تھی، اس نے مجھکو دیکھا، ڈر کے مارے سہم گئی، اور ارز کر گھر میں بھاگی، مگر اسکی: خوف زدہ آنکھیں، میرے، کان میں، یہہ کہہ گئیں۔ سنگدل، باپ، تیری، رات، آنکھوں کی، پرستش میں، اور، ہماری رات، فاقہ میں، بسر ہو گئی، گھر میں پہونچا، تو، پاکدامنی کی حور، جس نے، صورت دیکھتے ہی، دوپٹہ، سنبھال کر اوڑھا، اس قیامت خیز، گرمی میں، چولہے کے آگے بیٹھی، روٹی پکا رہی تھی، کپڑے، چکٹ، تھے، پسینہ بہہ رہا تھا، بچہ، گود میں لیٹا، دودھ پی رہا تھا، اور، بدنصیب ما، اپنی، اس، لازوال دولت، پر، زندگی کی، تمام خوشیاں، قربان کر رہی تھی، یہہ خاص حالت، میرے استقبال، کو آگے بڑھی، اور، با آواز، بلند کہا، بازاری، آنکھوں کے بندے، غور کر، ہماری، رات، کس طرح صبح ہوئی۔

عفت کا وہ بیش بہا جوہر، جو، باورچیخانہ میں۔ جگمگا رہا تھا، تسکین، کو اٹھا، اور، اس، آسمانی، حور نے، دستر خوان بچھا کر، کھانا، چنا، سر کے وہ چند، بال، جو، سفید، ہو چکے تھے، اور ہماری ابتدائی، عمر کے ہمراز تھے، یوں گویا ہوئے۔

"ہم تیرے ظلم کا شکار ہوئے اور ہماری بیگم، تیرے ہاتھوں، برباد ہوئی!"

یہہ صورت، جو اب، بگڑ چکی تھی، اپنی اصلی تصویر میں، میرے سامنے آئی: اس نے عمر، میرے ساتھ بسر کی تھی، اور وہ میرے ہی گھر میں، میرے اوپر، جوانی کی دولت، لٹا چکی تھی، اس وقت، آنکھیں، اس، حالت، کا، پتہ دے گئیں، جب، سب سے پہلے، سامنے ہوئی تھیں، اور گھر کے چپہ چپہ نے، کہا، یہہ عفت و عصمت کا وہ سدا بہار پھول، جس کے فنا ہونے کے بعد بھی، اس کی مہک، تمام خاندان، کو، معطر رکھیگی، جس نے اپنا، ظاہری حسن، تجھپر فدا کیا، اب، بے اعتنائی کا مستوجب نہیں، اسوقت، کج ادائی، شیوۂ حیوانیت ہے، یہہ، گلاب، مرجھاکر، اور رنگ لایا ہے، اسکی، خوشبو، تیز ہوئی، اور اسکا حسن دوبالا ہوگیا۔

میں یہہ سنکر، آگے بڑھا، اور عمر بھر کی، ہمراز، آنکھوں کو، بوسہ دیا، بظاہر یہہ ایک، جذبۂ، فطری تھا، مگر درحقیقت افعال گذشتہ کی ندامت تھی، جس میں، یہہ عہد، شامل تھا، کہ، اب، صرف، موت، ہم دونوں کو جدا کرسکتی ہے۔

ایک عالم رہ گیا ہاتھوں کو بس ملتا ہوا
بادشاہوں کو بھی خاک میں رلتا ہوا

جب چراغ عمر ہی گل ہوگیا جلتا ہوا
بعد موں جب قافلہ اس روح کا چلتا ہوا

(از بیاض کہنہ)

غزل

نتیجۂ فکر جناب مولانا آزاد سبحانی

جوشِ فریادِ ستم پھر دلِ بیتاب میں ہے یعنی بنیادِ وفا حلقۂ سیلاب میں ہے

جب کبھی وعدہ انھیں یاد دلایا ہونے اور دم سے ابھی پیمانِ وفا خواب میں ہے

یاس موس ترے ہاتھ ہوئے ضبط اثر آج پھر تارِ رگِ جاں کفِ مضراب میں ہے

نگہِ یار پئے دل ہے خدا خیر کرے نظر برق رگِ پارۂ سیماب میں ہے

منتخب بزمِ وفا غیر کے ہاتھوں صد حیف خاک اُڑتی ہوئی اب صحبتِ احباب میں ہے

تجھ میں خود چشمِ بصیرت نہیں اے واعظ ذوقِ سجدہ ہی لب تک خمِ محراب میں ہے

موجِ گل کم نہیں کچھ موجِ بلا سے ہمکو یہ سبق ہر ورقِ عالمِ اسباب میں ہے

تیرے سرمست وہ مئے کش ہی نہیں پیرِ مغاں آج بھی کیف وہی تیرے مئے ناب میں ہے

دل کے پھٹنے کا سبب کیا ترے اے زخمِ جگر یعنی کچھ اُس کی جھلک چہرۂ مہتاب میں ہے

لطف کا ذکر ہی کیا اب تو بلا سازوں کو جو رہی سلسلۂ جوہرِ نایاب میں ہے

کچھ ادھر بھی نظر اے خانہ بر اندازِ جہاں اپنا حصہ بھی تری بخششِ کمیاب میں ہے

ذرہ ہے پھر شور نہ پچ جائے خدا خافوں میں آج بیتاب وہ دل گوشۂ جلباب میں ہے

چشمِ باطن یہ غزل کیا ہی حقیقت یہ ہے ایک طوفاں نہاں دیدۂ پرآب میں ہے

کہتے ہیں ہو چکا افسانۂ منصور کہن
شہرۂ قصۂ آزاد اس باب میں ہے

ایک گلی کتب خانہ

انسان بھی عجیب متضاد صفات کا مجموعہ ہے ایک طرف تو یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت سے ہمیشہ بیزار رہتا، اور گذشتہ کی طرف آہِ سرد بھر بھر کر دیکھتا ہے، اور دوسری طرف جب خود اپنی طبعِ خدا داد پر نظر ڈالتا ہے تو سرِ افتخار آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے، اور گزری ہوئی نسلوں کے بڑے سے بڑے کارنامے بھی اُس کو ہیچ سے گرد و غبار میں لپٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ گو قدم سی کا ہمیشہ آگے بڑھتے رہنا زمانے کا اقتضا ہے، اور جہاں ہم پرسوں تھے وہاں کل نہ تھے، اور جہاں کل تھے وہاں آج نہیں ہیں، لیکن جس طرح کہ گھوڑ دوڑ میں چھٹنے کے مقام سے کوئی گھوڑا آگے اور پیچھے نکلتا ہے، اسیطرح جولانگاہ عالم میں بعض قومیں مدارج ترقی پہلے طے کرتی ہیں اور بعض بعد میں، لیکن سب کو کم و بیش ایک ہی راستہ قطع کرنا پڑتا ہے، اسمیں شک نہیں کہ زمانے کی مجموعی ترقی کے اعتبار سے متاخرین کو متقدمین پر تفوق ہوتا ہے کیونکہ ہر زمانے میں موجودہ نسل تمام گزشتہ نسلوں کی وارث ہوا کرتی ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سی باتیں جو ہماری نظر میں جدت کا رنگ لئے ہوئے اور بلا تکلف اپنی ہی خداداد ذہانت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، در اصل نہیں ہوتیں، اگر تاریخ عالم کے کرم خوردہ صفحوں کو ذرا بھی توجہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قوم میں نہ سہی مگر دوسری قوموں میں ضرور اس قسم کے مدارج ترقی

سب پہلے ہی طے ہو چکے ہیں، اور حضرت سلیمانؑ کا یہ ارشاد کہ "آفتاب کے تلے کوئی چیز نئی نہیں ہے" نہایت صحیح ہے۔ کتب خانوں ہی کو دیکھئے کہ اس زمانے میں لندن میں برٹش میوزیم اور پیرس میں بائبلوتھیک نیشنیل کو دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ کم سے کم اس بارہ میں تو کسی قوم نے زمانہ سابق میں ایسی توجہ نہ کی ہوگی۔ لیکن ایشیاء کوچک کے کھنڈروں کو صدیوں کے گرد و غبار نے تو دہائے خاک بنا دیا ہے، دبی زبان سے کہتے ہیں ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

اور فلک شعبدہ باز بھی کبھی ہمکو نیچا دکھانے کے لئے فراموشی کی نقاب جو ہزاروں سال تک گرم و سرد زمانے کا مقابلہ کرتے کرتے کچھ متحجر سی ہوگئی ہے، اٹھا کر قدامت کی کچھ ایسی جھلک دکھا دیتا ہے کہ ہم دنگ ہوکر رہ جاتے ہیں۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ابتدا میں عہد طفلی کی طرح انسان کا سینہ ہی اس کا کتب خانہ ہوتا ہے، لیکن جب قوم میدان ترقی میں قدم رکھتی ہے اور تمدنی ضرورتوں کی وجہ سے تمدن کے رخ مختلف اور ذخیرۂ معلومات اسقدر وسیع ہو جاتا ہے کہ نہ تو ایک شخص اُن سب کی پیروی کر سکتا ہے اور نہ ایک شخص کا حافظہ اُس کا متحمل ہو سکتا ہے اور نہ ایک یا چند اشخاص اُس کی اشاعت پوری قوم میں کر سکتے ہیں تو کتابت کی ضرورت محسوس ہوتی اور کتابت کے ساتھ کتابیں اور جہاں کتابیں ایک سے دو اور دو سے تین ہوئیں۔ کتب خانے عالم وجود میں آتے ہیں۔ انسان جبکہ دماغی ترقی کے اس درجہ پر پہونچتا ہے تو تمدنی طور پر بھی وہ بہت سے مدارج طے کر چکتا ہے اور باپ کو جو نسبت

سابق میں اولاد سے اور اُسکے بعد سرگروہ خاندان سے تھی، وہی نسبت اب بادشاہ اور رعایا کے ساتھ ہوتی ہے اور اسلئے دوسرے انتظامات کے ساتھ دماغی ترقی کا انصرام بھی بادشاہ ہی کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ جن قوموں نے سب سے پہلے لباس تمدن زیب بدن اور انسانی دماغ کی سوتی ہوئی قوتوں کو بیدار کیا وہ مصری اور بابلی تھے، لیکن مصریوں نے جہاں تک کہ دریافت ہو سکا ہے، کوئی باقاعدہ کتبخانہ قائم نہیں کیا، اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے یہاں علمی ترقی کا دارومدار پیشوایانِ مذہبی تھا، اور وہ اپنی گرم بازاری کے لئے ضرور سمجھتے تھے کہ اپنے فتوحاتِ دماغی کو غیر حقیقی روشنی کے ہالے میں ایسا چھپا دیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہ کام نہ کرے، اور اُن کو اُن میں کسی اور عالم کا جلوہ نظر آئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آجتک اُن کے کارنامے دُنیا کے خیال میں ایک عظیم الشان راز کی ہیبت اور وقعت رکھتے ہیں، لیکن بایںہمہ اُن کے اُولوالعزم بادشاہوں کے پُرشان مقابر اور اُن کے تعمیر کیے ہوئے بوالعجب چو پہل مینار جو اپنے فوق الانسانی استحکام سے گرم و سرد زمانے پر طعن مارتے ابدالاباد سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اپنے بوقلموں کتبوں سے کتب خانوں کا کام دیتے ہیں۔ لیکن برخلاف اسکے اہل بابل نے جو قدامت میں اہلِ مصر سے کم نہ تھے مگر عام اثر میں اُن سے بہت بڑھے ہوئے تھے کیونکہ دنیا کی موجودہ ترقی کی بُنیاد اُنھیں کے مبارک ہاتھوں سے ڈالی تھی، ابتدا ہی میں ترویج علوم کی طرف توجہ کی اور چونکہ ہر زمانے میں ہر قوم اپنی ضرورتیں اُنھی چیزوں سے پُورا کیا کرتی ہے، جو آسانی سے

ہاتھ آسکتی ہیں۔ اور سرزمین بابل میں دجلہ و فرات کی طغیانیوں کی بدولت عُمدہ قسم کی چکنی مٹی بہ کثرت موجود تھی، اسلئے اُنھوں نے مٹی کی کچی اینٹوں یا تختیوں کو جنھیں بعد میں پکا دیا کرتے تھے، تحفظ و ترویج علوم کا ذریعہ بنایا، اور اس قسم کی گلی کتابوں سے بڑے بڑے کتب خانے قایم کیے۔ اگرچہ اہل بابل کے علوم کی جھلک ہم تک واسطہ در واسطہ اہالی اسیریا و فینشیا و یونان کے ذریعے سے پہونچی ہے لیکن افسوس ہے کہ زمانے نے اُن کے علمی ذخیروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گو اہل یورپ نے بہ کثرت طلب علمی تجسُّس سے جستہ جستہ اُن کی گلی کتابوں کو اُن کے بھوسے ہوئے شہروں کے کھنڈوں سے نکالا ہے، لیکن جو عظیم الشان کتب خانے اُنکے علم پرست بادشاہوں نے قائم کئے تھے۔ وہ ریگِ زمانہ میں ایسے نہیں دبے کہ نکالے سے نکل سکیں، قدیم کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کیا دُنیا کا سب سے پہلا کتب خانہ شاہ سارگن نے، جو حضرت عیسےؑ کی پیدائش سے تین ہزار آٹھ سو سال پیشتر گزرا ہے، قائم کیا تہا۔ اس بادشاہ نے ایک ضخیم کتاب تنویر بیل کے نام سے تصنیف کرائی تہی، جو بہتر جلدوں میں تہی اور جسمیں علم ہیئت و نجوم کے مسائل پر تفصیل سے بحث کی گئی تہی۔ بادشاہ سارگن کے کتب خانہ کے علاوہ ایک مشہور کتب خانہ سنقر یا لارسیا میں تھا، جسمیں خاصکر علوم ریاضی کے متعلق کثرت سے کتابیں جمع کیگئی تہیں۔ اور ایک اور قدیم کتبخانہ نپور میں تھا اور اسیطرح ارک اور کوتھا کے کتب خانے بہی قابل ذکر ہیں۔ بخت نصر کے زمانے میں، جو ۶۰۰ ق۔م۔ میں گزرا ہے دو عظیم الشان

کتب خانے خاص بابل میں قائم ہوئے تھے، مگر ان سب کتب خانوں کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔

اہل بابل کے برخلاف اہل اسیریا، جو انھیں کے ایک شاخ تھے اس بارہ میں زیادہ خوش قسمت تھے۔ چنانچہ جو کوشش نینوا کے کھنڈروں کے کھودنے میں ہوئی، وہ زیادہ بار آور ثابت ہوئی ہے۔ اور ایک پورا کتب خانہ جو شاہانِ اسیریا کی علم پروری کی یادگار ہے۔ ہاتھ آگیا ہے، اگرچہ سلطنت اسیریا کی قدامت کا پتہ ۱۹۰۰ق۔م تک لگا ہے، لیکن چونکہ علمی ترقی کے لیئے استحکام سلطنت اور تمدنی ترقی لازم ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ دراز تک کسی بادشاہ کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی، لیکن ۷۴۵ ق۔م۔ میں جبکہ تغلت پلیسر ثالث تخت نشیں ہوا تو اس نے اتنا کیا کہ قدیم سلاطین کے کتبوں کو دستِ فنا سے محفوظ کرنے کے لئے جمع کیا، اور ان کی نقول سے ایک کتب خانہ کی بنیاد ڈالی، اور اس کے بعد شاہ سارگن جو ۷۲۲ق۔م۔ سے لیکر ۷۰۵ق۔م۔ تک حکمراں رہا، بعض رسالے علم ہیئت و نجوم وغیرہ کے داخل کرکے اس کو اور وسعت دی۔ سارگن کا بیٹا سناکرب جو ۶۸۱ق۔م۔ تک تخت نشیں رہا، تاج شاہی کے ساتھ ذوق علمی کا بھی وارث ہوا تھا اور اس نے قوانین اسیریا کا مجموعہ اور چھوٹے چھوٹے تاریخی اور مختلف قسم کے علمی رسالے داخل کتب خانہ کیے اور اسی نے کتب خانہ کو قلاہ سے نینوا میں بھی منتقل کیا، اس کے بعد اسکے خلف الرشید اشر ہیدن دالبتوفی ۶۶۸ق۔م۔ نے اس میں بہت سے تاریخی اور

اور دیوتاؤں کے رسالے شریک کئے۔ اگرچہ اس خاندان کے تمام بادشاہ علمی قدردانی کے لحاظ سے آفتاب تھے۔ لیکن علمی دنیا کا سب سے بڑا محسن اشر ہیدن کا بیٹا اور جانشین اشربنی پال تھا، جو ۶۲۶ ق۔م۔میں اپنا نام پردۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے یادگار چھوڑ کر راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اُس کی اُولوالعزمی صرف بیرونی فتوحات اور اندرونی انتظامات ہی پر محدود نہ رہی، بلکہ اُس کے علمی ذوق نے بابل کے مٹے ہوئے علوم کو نئی حیات جاوید بخشی۔ اس کے مبارک عہد میں ہزارہا منقوش تختیاں جو تقریباً ہر علم و فن کے متعلق اور ہر مقام سے لائی گئی تھیں نینوا کے کتب خانہ میں داخل ہوئیں اور اس کے کتبوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بڑی محنت سے جمع کرنے کی غرض صرف رفاہِ خلق اللہ تھی کہ لوگ عام طور پر اس بے نظیر علمی ذخیرہ سے فیضیاب ہوں اور رعایا میں علم کی اشاعت ہو۔ اشربنی پال نے اس کتب خانے کو ایک عالیشان محل میں رکھا تھا، جو سلطنت اسیریا کی بربادی کے ساتھ تباہی کے نذر ہوا، لیکن نینوا کے عبرتناک کھنڈروں نے اُسکو کئی ہزار برس تک اپنے سینے میں امانت کی طرح محفوظ رکھا۔ یہانتک کہ اہلِ یورپ کو اُولوالعزمی نے صدہا سال کے خس و خاشاک سے اس بیبہا خزانے کو نکالا۔ یہ بھی حسنِ اتفاق یا اُن قدیم لوگوں کی خوش نیتی کا باعث ہے کہ اُنھوں نے اپنی دماغی فتوحات کی حفاظت کے لئے استمداد بھی کی، تو مادرِ گیتی سے کہ وہ آج تک گرم و سردِ زمانہ سے محفوظ ہے بقولِ شاعر ؎

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روزِ محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا

برخلاف اُسکے اس زمانے میں گو ہمارا ذخیرۂ معلومات بہت کچھ بڑھ گیا ہے اور لطافت اور نزاکت میں ترقی تمدن کے ساتھ ہم کہیں سے کہیں پہونچ گئے ہیں۔ لیکن ہمکو بلا تامل اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اگر ہماری کتابوں کے ساتھ بھی زمانہ ویسا ہی سلوک کرے جیسا کہ اہل ایشیا کی انگلستان کی کتابوں کے ساتھ کیا تو اُن کا صدیوں تو کیا دہ سال بھی ٹھہرنا مشکل ہے۔

اب اگر اِن جواہرِ بے بہا پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تغلت پلیسر ثالث کے تاریخی مذاق نے اس کتب خانے کی بُنیا ڈالی تھی اُسیطرح اُس کے جانشینوں نے بھی فتح نامے کی طرف زیادہ توجہ کی، اور ہزاروں تختیاں آج تک شاہانِ اسیریا کی فتوحات، اولوالعزمی، دینداری اور سرپرستی علم و ہنر کی شہادت دینے کے لیے موجود ہیں۔ ان تختیوں میں سے بعض پر قدیم سلاطین کے کتبوں کی نقول ہیں، جو اُن کے حالات پر گہری روشنی ڈالتی ہیں۔ اور بعض پر عہدناموں، فرمانوں اور احکامِ شاہی کی نقول ثبت ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صرف تحریرات سرکاری ہی کی حفاظت کی طرف توجہ نہیں کی گئی، بلکہ رعایا کے عرائض اور لوگوں کے باہمی خانگی خط وکتابت کا بھی بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا، جس سے اُس زمانے کی معاشرت اور تمدن کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

جغرافیہ بھی اُس زمانے میں ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کر چکا تھا

اور اس شاخ میں اگر کسی تختی پر شہروں، قصبوں، دریاؤں، پہاڑوں کی فہرستیں درج تھیں، تو کسی پر مختلف مقامات کے موقع اور خصوصیات اور پیداوار وغیرہ کے حالات ثبت تھے۔

کتب خانے کی ایک بڑی شاخ قوانین سے تعلق رکھتی تھی اس میں بعض تختیوں پر قوانین نافذہ کی نقول تھیں اور بعض مقامات خانگی مثلاً بیعنامے، دستاویزات قرضہ کفالت نامجات وغیرہ کی حیثیت رکھتی تھیں اس زمانے کے لوگوں کو یہ سنکر بڑی حیرت ہوگی کہ اس قدیم زمانے میں بھی مقدمات کے فیصلے محفوظ کئے جاتے تھے تاکہ آیندہ بطور نظائر کے کام آئیں یا قوانین موجودہ کی ترمیم اور جدید قوانین کی وضع کا ذریعہ بنیں۔

ایک اہم صیغہ روایات مذہبی سے متعلق تھا، جنمیں سے بہت سی روایتیں دوسری قوموں سے لیگئی تھیں۔ ان روایات میں سب سے زیادہ ذکر کے قابل گلگامیس کا قصہ ہے۔ جو غالباً حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل مرتب ہوا تھا۔ یہ قصہ بارہ جلدوں میں تھا اور ہر جلد کا نام کسی ایک نہ ایک برج پر رکھا گیا تھا اور گیارہویں جلد جس کا نام دلو تھا، طوفان نوح کے متعلق وہ روایت درج تھی، جو بابل میں مشہور تھی، جس سے طوفان نوح کے اُس قصے کی، جو عہد نامہ میں درج ہے، پوری تصدیق ہوتی ہے، گلگامیس غالباً وہی شخص ہے، جس کا ذکر نمرود کے نام سے عہد قدیم میں آیا ہے اسکے علاوہ بہت سی تختیوں پر مختلف قسم کی روایتیں اور حکایتیں درج تھیں جن پر بھوت پلیدوں کے قصے اور ان کے اُتارنے کے منتر

ثبت تھے۔

ایک شاخ دیو مالائی سے تعلق رکھتی تھی اور اُس میں جو تختیاں تھیں اُن پر دیوتاؤں کی فہرستیں اور اُن کے اسماء و صفات اور مندروں کی تفصیل مندرج تھی، اور بعض تختیوں پر مختلف دیوتاؤں کی شان میں مناجاتیں اور وہ دُعائیں جو مختلف درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو خاص خاص حالتوں میں مثلاً جبکہ کوئی مُصیبت نازل ہو، یا جنگ میں شریک ہونا پڑے، مانگنی چاہئیں، منقوش تھیں۔

اہلِ اسیریا کا علمی تجسّس زمین ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ اُن کی فکرِ بلند پرواز نے آسمان تک بھی رسائی پیدا کی تھی، چنانچہ اُن کی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ علمِ ہیئت سے متعلق تھا، جنمیں اجرامِ فلکی کی اشکال اور گردشوں کی کیفیت تحریر تھی اور مختلف آثار و مناظرِ فلکی کی بھی توضیح کی گئی تھی۔ شاہانِ آسریا نے اُس عظیم الشان قدیم تصنیف کا بھی ترجمہ اپنی زبان میں کرایا تھا، جو تنویر بیل کے نام سے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے سارگن شاہ بابل کے زمانے میں (۷۲) جلدوں میں تصنیف ہوئی تھی اس کتاب کا ترجمہ یُونانی زبان میں بھی مؤرّخ بروسّس نے کیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ آج نہ اصل کتاب باقی ہے اور نہ یونانی ترجمہ، لیکن خوش قسمتی سے آسیری ترجمہ کی فہرست کا ایک حِصّہ موجود ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں سورج اور چاند کے قِران اور مرّیخ اور زہرہ کی گردشوں اور دُمدار ستاروں پر جن کی توضیح ان الفاظ میں کیگئی تھی "وہ ستارے جو پس پُشت دُم اور پیشانی پر تاج رکھتے ہیں" مکمّل رسالے تھے چونکہ جوتش نجوم بھی علم ہیئت کی

کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی، اسلئے اُسکے متعلق بھی بہت سی تختیاں تھیں جنمیں ثوابت اور سیاروں کی تاثیرات پر بحث کی گئی تھی۔

ایک نہایت دلچسپ صیغہ حیوانات و نباتات و معدنیات سے متعلق تھا، جسمیں چوپایوں، پرندوں، حشرات الارض، گھاسوں اور پتھروں وغیرہ کی فہرستیں اُن کے اقسام و انواع کے لحاظ سے ضبطِ تحریر میں لائی گئی تھیں۔ دھاتوں کی فہرستیں بھی بعض تختیوں پر اس تفصیل کیساتھ وہ کس کام میں آتی ہیں لکھی گئی تھیں، اور بعض پر مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزوں کی فہرستیں درج تھیں۔

ایک چھوٹی سی شاخ ریاضی و حساب سے تعلق رکھتی تھی اور اُس میں بعض گلی رسالے ایسے بھی تھے، جنہیں جذر مربع [illegible] نکالنے اور پیچیدہ سوالات کے حل کرنیکا طریقہ بتایا گیا تھا مختلف اعداد کے مربعوں اور مکعبوں کی جدولیں آج تک موجود ہیں۔

یہ گلی کتب خانہ جن علوم و فنون پر حاوی تھا، وہ زیادہ تر کلدانیوں اور بابلیوں کی جولانیٔ طبع کا نتیجہ تھے۔ اور چونکہ وہ پہلے سے ایک اجنبی زبان اور غیر مانوس خط میں قلمبند تھے، اسلئے شاہانِ اسیریا کو اُنھیں اپنی زبان میں لانے کے لیئے ترجمہ کا بھی بڑا اہتمام کرنا پڑا اور اکثر کتابوں کے نہ صرف ترجمے کرائے گئے، بلکہ بہ لحاظ دقتِ مضامین اُن پر مبسوط شرحیں بھی لکھی گئیں چنانچہ اسی ضرورت سے علم صرف و نحو بھی مدون ہوا اور لغات کی کتابیں بھی تصنیف ہوئیں، جس میں بابلی اور آسیرین دونوں زبانوں کی خصوصیات پر بحث تھی۔

یہ گلی تختیاں بڑی چھوٹی سب قسم کی ہوتی تھیں، یعنی اگر کوئی

طول میں ایک فٹ ہوتی تھی، تو کوئی ایک ہی اینچ اور اُن کے چاروں طرف خشک ہونے سے پہلے لوہے یا پیتل کے نوکدار قلم سے لکھتے تھے اور خشک ہونے کے بعد اُن کو آوے میں پکا لیتے تھے حروف بعض اوقات اسقدر باریک ہوتے تھے کہ کلاں بیں سے بھی مشکل سے نظر آسکتے ہیں اور خط وہی قدیم پیکانی تھا، جو زمانہ قدیم کلدانیا اور بابل اور ایران میں مروّج تھا اور جسکو یہ نام حروف ابجد کے تیر نما ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے، اس قسم کی قریب تیس ہزار سے بھی زیادہ تختیاں نینوا کے کتب خانہ میں جمع کیگئی تھیں اور خوشی کی بات ہے کہ اُن میں سے بہت سی برٹش میوزیم اور یورپ و امریکا کے دوسرے ملکوں کے عجائب خانوں میں آج تک دُنیا کے قدیم تمدن پر گہری روشنی ڈالنے کے لئے موجود ہیں +

عزیز مرزا (مرحوم)

ناظرین براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر

خریداری ضرور تحریر فرمائیں -

مینجر

اخلاق اور قانون

انسان کو عقل راہنمائی کے لئے عطا ہوئی ہے، لیکن انسانی عقل کے مراتب مختلف ہیں، اور ہر شخص کی عقل اسقدر کامل نہیں ہے کہ وہ ہر انسان کو برائیوں سے بالکل بچا سکے۔ بلکہ اکثر انسان سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں، جو اسکی ذات یا سوسائٹی کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ جب انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے، تو بہت مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ ایک خاص مذہب کی پابندی کرتا ہے۔ خدائے عزوجل کی پرستش کرتا اور اپنے تئیں عابد سمجھتا ہے۔ علم و فن میں ترقی کرتا، اور طرح طرح کی دستکاریاں کرتا ہے۔ تمدن و معاشرت میں اصلاح کرتا اور امن و رفاہ عام کے قیام و ثبات میں مدد دیتا ہے۔ اسیطرح شہروں میں ملکر رہنا۔ دوسروں کے ساتھ مشارکت اور مخالطت اختیار کرنا، ایک طاقت بہم پہونچانا اور سلطنت قائم کرنا۔ مال و دولت جمع کرنا، اور ہر شخص کی علحدہ ملک قرار دینا، اپنی اپنی چیزوں سے حظ اٹھانا، ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرنا، نئی معلومات بہم پہونچانا۔ نئی اشیا۔ یا اشیا کے خواص یا قدرت کے قانون دریافت ... اہم مسائل میں غور و فکر کرنا انسان کے لئے ایسے کام ہیں، جو اسکو عروج اور ترقی کی طرف مائل کرتے اور اسکا رتبہ بلند کرتے ہیں، یہی انسان کا کمال ہے۔ یہ انسان کی ضروریات، ارادہ، دانش اور استعداد کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جب انسان پر حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے، تبھی انسان

لوگوں کو قتل کرتا، عمارتوں کو ڈھاتا، کھیتوں کو مسمار کرتا، شہروں کو ویران کرتا، معابد و مساجد توڑتا، صنعت و کمال کے نمونوں کو مٹاتا، کتبخانوں کو جلاتا، لوٹ مار کرتا اور ہر طرف بربادی پھیلاتا ہے، اس حالت میں اس کی روح تنزل کی طرف مائل ہوتی ہے، اور وہ انسانیت سے دور ہو جاتا ہے۔

انسان قدرت کے منشار کے مطابق اپنی عقل اور ارادہ پر کاربند ہوتا، اور اپنی سمجھ کے مطابق ہر کام کرنا چاہتا ہے، لیکن اسکی ناقص عقلی اور غلط رائے اسے برائی کی طرف مائل کرتے ہیں اور انسان کو ضرورت پڑتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ مجھے کس طرح عمل پیرا ہوتا اور اپنے چال چلن کو کتنا اصول کا پابند رکھنا یا اپنی طبیعت پر کس طرح قابو رکھنا چاہئے یہ علم اسے "اخلاق" کے جاننے سے حاصل ہوتا ہے، لیکن انسان کی جہالت اور بعض اوقات باوجود علم اسکی طبیعت کا ضعف اسے قوانین اخلاق پر کاربند نہیں رکھتا، اور اس سبب سے تمدن میں خرابی اور امن عامہ میں خلل پڑتا ہے۔ اور تمام گروہ کی آسایش اور حفاظت کے لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ جو لوگ عمداً یا احیاناً قانون عدالت کی خلاف ورزی کرنی چاہیں انکو بہ جبر و بہ زور عدالت پر قائم رکھا جائے۔ اور اگر کبھی اسکے خلاف کریں تو سزا دیجائے۔ تاکہ لوگوں کے گروہ میں امن و ترتیب قائم رہے۔ چونکہ ہر سوسائٹی میں گورنمنٹ اس منشار کے واسطے قائم ہوتی ہے، لہذا یہ اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے اور جو ضوابط گورنمنٹ لوگوں کے افعال میں حد قائم کرنے کے لئے جاری کرتی ہے "قانون"

کہلاتے ہیں۔

قانون وہ قواعد ہیں، جو ایک سلطنت اپنی رعایا کے معاملات اور ایسے افعال کی درستی کے لئے مقرر کرے، جو تمدن سے تعلق رکھتے ہیں اور جنکی رُو سے اُنکے باہمی مقدمات کا انفصال کیا جائے۔

تمدنی حالت میں جبکہ انسان گروہ ملکر رہیں، دو چیزیں انسان کو ٹھیک رکھ سکتی ہیں اور اُسکے دستِ تغلب اور جبر کو روک سکتی ہیں، ایک اخلاق، دوسرے قانون۔ تمدنی حالت میں جسقدر ترقی ہوتی جاتی ہے اور ہر ایک انسان کے عام خیالات یا اُس کے پیشے جسقدر بڑھتے جاتے ہیں، اُن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے خانگی یا منزلی خیالات، طبعی تحریکیں، شوق، دلچسپیاں، اُسکے اخلاق پر اثر ڈالتی ہیں، اور ان سب میں وہ قانون کے خوف سے خوف کے مارے کچھہ نہ کچھہ عدالت کا خیال رکھتا ہے۔ قانون خاندان کیواسطے ضابطہ بناتا ہے اور فیصلہ کر دیتا ہے کہ خاندان کے ہر ممبر کی کیا حیثیت اور اُسکے کیا حقوق ہیں۔ اسیطرح تمام گروہ میں ہر شخص کی ملک اور اُسکے حقوق کی نگہبانی قانون کرتا ہے۔ قانون کاروبار اور معاملات دُنیا میں ہر امر کی تحقیق اور تشریح کرتا ہے اور پھر اُن میں ہر شخص کے فرائض معین کرتا ہے قانون معاملات میں صداقت رہنے اور حقوق کی نگہداشت پر مجبور کرتا ہے اور عدالت کو نہایت استواری اور استحکام سے قائم کرتا ہے۔ لیکن قانون کے حدود کے اندر ہی ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام ہیں، جن کا اثر

تقویت اور فائدے، راحت اور تکلیف پہونچانے میں بہت قوی ہے، اور قانون کا اُن پر بس نہیں چلتا، ایک شخص ایک بڑا خاوند اور ایک بڑا باپ ایک بڑا سرپرست ہوسکتا ہے لیکن قانون کی حد میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص جابر زمیندار ہو اور اجارہ داروں پر جبر و تعدی کرتا ہو یا اجارہ دار ہو لیکن پیداوار زمین برباد کرتا اور منافع تلف کرتا ہو۔ سوداگر ہو لیکن بے اعتبار ہو۔ اور مُلک کا قانون اُسے دُرست نہ کر سکے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص اعلےٰ درجہ کا چال باز۔ فتنہ پرداز۔ خیرہ سر ہو۔ لیکن مطمئن ہو کر قانون اُسپر کوئی دعوے نہیں کر سکتا۔ لیکن باوجود اس انتقام سے بھی قانون قومی اور مُلکی فلاح اور امن کے لئے ضروری پابندی ہے۔

انسان اپنی بنی نوع کے ساتھ قاعدۂ عدالت کی رُو سے جب رعایت کرتا ہے یا تو اُسکو یہ خوف ہو کر اگر بے ایمانی اور ناکردنی کا تو بُرے نتائج مجھے بھگتنے پڑینگے، یا جس کام کو وہ واجب اور فرض سمجھتا ہو طبعًا اُسکے پورا کرنے کی طرف راغب ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق کی تمام تحریکیں اُمید و بیم سے پیدا ہوتی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ تمام انسانوں میں اخلاقی اثر عقل حیوانی کی طرح قدرتی اور فطرتی ہوتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اخلاقی اثر کچھہ تو طبعی اور جبلی ہوتا ہے اور کچھہ تمدنی حالت یا سوسائٹی کے اثر یا زندگی کے تجربوں سے اُسپر رنگ چڑھتا ہے، اور سب سے زیادہ یہ کہ جو خیالات ... میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جنکا اثر قوم کی ہر فرد ... ہوتا ہے کہ اُن کے نیک و بد کی تمیز اُن ہی خیالات

[illegible] وہ انسان کی طبیعت میں یہ انقلاب پیدا کر دیتے ہیں کہ اُن کا اثر وراثتاً دوسری نسل میں پہنچتا ہے اور اُن سے جبلی کیفیت کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اُن لوگوں کے اعتقادات کے موافق عمدہ اخلاق [illegible] قوم میں رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہیں۔ اور قوم کے عام طور پر لیے [illegible] رفتہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس عام اخلاق [illegible] اثر انسان کی زندگی کے ہر حصے اور ہر جذبہ اور ہر فعل سے ملا ہوا ہوتا ہے اور [illegible] خیالات کی وجہ سے اُن میں نئے نئے اختلافات ہوتے [illegible] اُن میں زیادتی اور کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے اور یہ قومی ترقی [illegible] قومی تنزل کا باعث ہے۔

اخلاق اور قانون میں یہ فرق ہے کہ اخلاق میں اگرچہ افعال کو بھی دیکھا [illegible] کے خیالات اور دلی جذبات سے بحث کی [illegible] اور قانون میں صرف افعال کو دیکھا جاتا ہے اور اگر خیالات [illegible] ذکر ہوتا ہے تو اسیقدر کہ انسان کے افعال کے حالات [illegible] کرنے میں مدد مل سکے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قانون کی [illegible] اسکے خوف میں ہے لیکن اخلاق انسان کو مائل کرتا ہے [illegible] اعمالِ حسنہ کا پابند ہو جن کا رتبہ اُن اعمال سے بہت بلند [illegible] سکتا ہے۔ اسلئے قانون فطرتاً خوف پیدا کرتا [illegible] انسان کو قوی بے خوف اور دلیر بناتا ہے۔ یہ سچ ہے [illegible] اصول اخلاق پر [illegible] فرصت اور آزادی [illegible] سے [illegible] ہوتی ہے۔

[illegible] نتیجہ ہے [illegible] قانون کا [illegible] ہے

قانون کے بنانے میں ذرا غلطی ہوجاتی ہے تو یہ اثر فوراً جاتا رہتا ہے۔

لیکن باوجود ان نقائص کے دُنیا میں قانون کی بہت حاجت ہے کیونکہ قانون اگرچہ بلا واسطہ اخلاق پر اثر نہیں ڈالتا۔ لیکن بالواسطہ اخلاق کی بہت مدد کرتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اپنے اغراض اور اپنے فوائد عزیز ہوتے ہیں اور اُن کے اصول کے پیچھے وہ دوسروں کی فلاح اور اغراض کا بہت کم خیال رکھتا ہے، لیکن قانون تمام لوگوں کے اغراض اور مقاصد پر نظر رکھتا ہے اور سب لوگوں کے مال و اسباب کو تغلّب اور تصرف سے بچاتا ہے۔ اسیطرح بعض سادہ دل اور بھولے آدمی یا کمزور طبیعت اشخاص رضامند ہوجاتے ہیں کہ اپنی آزادی کے حقوق سے دست بردار ہوجائیں۔ اور اپنے تئیں ظالموں کی مرضی کے حوالہ کردیں۔ لیکن قانون اُن کی حمایت کرتا ہے۔ اُن کو سہارا دیتا ہے اور اُنھیں اُن کے حقوق یاد دلاتا ہے۔ اور ظالموں کو تنبیہ کرتا ہے کہ اِن کی طرف آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھنا۔ اسلئے قانون انسان کی اخلاقی فطرت کی تکمیل میں مدد دیتا ہے، اور سب لوگوں کو انسانیت کے احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔

کسی ناجائز کام کے ارتکاب سے انسان کو تین قسم کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مذہبی، اخلاقی، اور جسمانی۔ مذہبی تکالیف کا انحصار کسی مذہب پر یقین رکھنے اور معصیت پر سزا ملنے کی اعتقاد پر منحصر ہے اخلاقی تکالیف طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ پشیمانی، غم، افسوس، شرم، وغیرہ۔ جسمانی تکالیف بیماری، موت وغیرہ ہیں۔ قانون جو سزائیں دیتا ہے وہ جسمانی ہوتی ہیں، لیکن اُن کا اثر رُوحانی قوٰی پر بھی پڑتا ہے۔ انسان اپنے

اعضاء کا استعمال خاطرخواہ نہیں کرسکتا۔ اور جن جسمانی کاموں میں لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے اُن سے بالکل روک دیا ہے، اپنی جائداد و املاک سے محروم ہوجاتا ہے اُسکے حقوق چھن جاتے ہیں، اُسکی آزادی مٹ جاتی ہے، اور وُہ ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصے کے لئے ابناءِ جنس کی سوسائٹی سے علیحدہ کردیا جاتا ہے، جو اُسکی روحانی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور جو ذلت کہ اُسکو قانونی سزا میں آپڑتی ہے وُہ اُسے غم، غصّہ اور شرم میں مُبتلا کرتی ہے۔ قانونی سزا انسان کی مذہبی اور اخلاقی سزا کو کم نہیں کرتی، بلکہ اُس کے اثر کو اور تیز کردیتی ہے۔ غرض تمام سزاؤں کی بُنیاد خوف پر ہے، اور قانون اِسی خوف کو زیادہ کرتا اور پھیلاتا ہے۔

انسان بہت سے کام صرف اس خوف سے کرتا ہے یا بہت سے کاموں سے صرف اِس سبب سے پرہیز کرتا ہے کہ اُن کے ترک یا ارتکاب سے کسی تکلیف کے سہنے کا خوف ہوتا ہے۔ خوف کے اثر میں اسقدر جلدی تغیر نہیں آتا جیساکہ دوسرے جذبات میں آتا ہے بلکہ خوف کا اثر اِسقدر قوی ہوتا ہے کہ جہاں کہیں نتیجہ مُشتبہہ یا اُس میں کسی قسم کی بھلائی کی اُمید بھی ہو تو بھی کسی بُرائی یا تکلیف کا شبہہ انسان کو محتاط رکھتا ہے۔ بلکہ مُلک کا قانون اخلاق کے قانون کا ضمیمہ یا اُسکی شرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اخلاقی قانون تمام بنی نوعِ انسان کے لیئے یکساں ہے لیکن مُلک کا قانون بلحاظِ مصلحتِ مُلک و مُعاشرت فروعی اُمور میں مختلف ہوتا ہے۔

مُلک کے قانون کے خلاف کرنے میں جُرمانہ، قید، موت وغیرہ سزاؤں کی دھمکی ضرور ہے، ورنہ مُلک کے قانون کا اثر بالکل زائل ہوجاتا ہے

اور کسی کو اُسپر کاربند ہونے کی پروا نہیں رہتی۔ اخلاق کے قانون کی یہ حالت نہیں وہ بے اختیار شرم، غصہ، رنج، ندامت اور اکثر بیماری کی سزائیں دیتا ہے۔ اخلاق کے خلاف کرنے کی خاصیت ہی یہ ہے کہ انسان اُس کی سزا بھگتے۔ مُلک کا قانون طبعًا یہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتا۔ اسلئے جسمانی سزاؤں سے کام نکالتا ہے۔ انسان کا بنایا ہوا قانون اُس کے اپنے رویہ کی درستی کا ایک ضابطہ ہے اور انسان کا رویہ یا اُس کے اعمال اُس کمال کا زینہ ہیں، جس پر پہونچنے کی اُسکو خواہش ہے؀

سجّاد مرزا بیگ

زمانہ بدل گیا

کیا ذکر غیر خویش و بیگانہ بدل گیا — ایسی ہوا چلی کہ زمانہ بدل گیا
دِل کو ہٹا کے خوب جگر سامنے ہُوا — تیرِ نگہ کا آج نشانہ بدل گیا
خالِ سیہ یہ مر کے یہ غمخوار ہو گیا — مرغِ دلِ اسیر کا دانہ بدل گیا
خلوت سے اب بدل گئی جلوت کی انجمن — آہ و فغاں سے جشن شبانہ بدل گیا
سوزِ نہاں نے خاک میں مجھکو ملا دیا — اب عاجزی سے فخر شہانہ بدل گیا
سوز و گداز عشق کے لب پر ہیں تذکرے — عیش و طرب کا اب وہ فسانہ بدل گیا

اے دِل کہاں سخن میں ظرافت کی چاشنی
باسط مری فغاں کا ترانہ بدل گیا

باسط۔ بسوانی۔

فرہاد

نورِ مہر کو تاریکیٔ شب سے دست و گریباں ہوتے دیکھ سہمی ہوئی شبنم نے خمار آلود آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھائیں اور پرواز کا قصد کیا۔ کہ فرہاد کی آنکھ اس پر پڑی۔

فرہاد۔ اے شبنم! میں تجھے سنگِ مرمر میں چھپا لوں۔

شبنم۔ للہ مجھے کوئی گیتی فروز کی کرنوں سے بچا لو۔

فرہاد۔ اے رشکِ بوئے یاسمن خوف نہ لا۔ میں خورشیدِ مہر عالمتاب کو تیرے قدموں میں لا ڈالوں گا۔

* * * * * * * * *

ایک جانب فرہاد سنگِ مرمر کی ایک چٹان پر آپ تیشہ بہا رہا ہے۔ اور باقی اور ہر طرف پتھر کے تراشے ہوئے زنانے اور مردانے سر اور جسم۔ نصف اور سالم۔ ملبوس اور برہنہ۔ سنگِ مرمر اور یشب کے سنگِ سیاہ اور خارا کے دھرے ہوئے ہیں۔ اگر یہیں انسانی بت ہیں تو خیالی حور و غلمان بھی۔ بھرو جن ہیں تو شیطان بھی۔ ہر بت کی رگ و پے سچی اور اصلی معلوم ہوتے ہیں صرف بولنے کی دیر ہے۔ اگر بعض چہرے غصہ و غضب کا نمونہ ہیں تو بعض شادمانی اور طرب کا۔ اس چین بجبیں ہے تو وہ غور و خوض میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ آنکھ پارسائی اور پاکبازی کا پتہ دیتی ہے تو وہ عیاری و رعنائی کا ان لبوں پر عیش پسندی اور سہل انگاری برستی ہے تو انپر کج نفسی اور مکاری۔ الغرض اس استاد

مسلّم ہے کہ ہر نمونۂ صنعت سے یہ ٹپکتا ہے کہ اس نے قدرت کی صناعی کا ہو بہو خاکہ اُڑایا ہے۔ اور ہنر سنگ تراشی کو بدرجۂ کمال پہونچایا ہے۔

جہاں اور بُت ہیں وہیں ایک نازنیں پا برہنہ بت بھی ہے۔ ہر عضو جسم سنگ تراش کے کمال کا نمونہ ہے اور اس کے تیشہ کی بامعنی ضرب کی داد دیتا ہے۔ بس کمی ہے تو روح کی۔ چہرہ سہم کا مرقع ہے۔ اور دونوں ہاتھ سوئے چرخ دراز ہیں۔ اور قدموں پر ایک نکیلا نوجوان جھکا ہوا ہے۔ وہ یہی ہے "شبنم و شعاع کا بُت"

دونوں وقت مل رہے ہیں۔ شب کی تاریکی لحظہ بلحظہ مغلوب آفتاب کی دھیمی کرنوں پر حاوی ہوتی جاتی ہے پرندے بھی اپنی اپنی داستان ختم کر کے اب نیند کے آغوش میں پہونچ گئے ہیں۔ فرہاد کے کمرہ میں کافوری شمعیں روشن کی جا چکی ہیں کہ خود فرہاد بھی آ پہونچا۔ ایک قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپکو سر سے پاؤں تک دیکھا اور آہِ سرد کھینچکر کہنے لگا "اے فانوسِ خیال اگر تجھ میں شمعِ کافوری کی جگہ برقی نقعۂ نور ہوتا تو میری صنعت کا پیمانہ آج شہرت سے چھلکتا نظر آتا۔ مگر اس خاصیت کافور کا کیا علاج۔ ادہر دماغ میں خیال کا گذر ہوا اور ادھر وہ کافور ہوا" یہ کہکے ساغر و صراحی اُٹھائی اور ایک نگاہ پھر آئینہ کی طرف کر کے کہا "اگر اس شعلۂ خیال پر روغنِ خونِ جگر نہ چھڑکتا ہوں تو کہاں فرہاد اور کیسی صنعتِ فرہاد۔

ادھر مئے ناب حلق سے اُتری اور اُدھر فرہاد نے اصفہان کی مینا بازار کا رُخ کیا۔

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

"اے ماہوش تیرا نام؟"
"جناب سب مجھے شیریں کہتے ہیں"

"شیریں"

"جی ہاں شیریں"

فرہاد محو تماشائے حسن اس گلفروشہ کو دیکھ رہا تھا کہ جس نے اپنا نام شیریں بتایا تھا۔ اور اسکا خاوند خسرو میلے کچیلے کپڑے پہنے شراب کے نشہ میں بیہوت بیچ سڑک میں لوٹ رہا تھا۔ گو شیریں کے اعضا کا نقص سے معرا تناسب اسکی نستعلیق اور شستہ خد و خال اسکی رشک نغمہ آواز غرضیکہ ہر شے سے اسکی شان کبریائی ٹپکتی تھی اور اسکی ہر ادا ایسی دلاویز و دلفریب ہوئی تھی کہ فرہاد ہی نہیں بلکہ آدمیوں کا ایک ٹھٹ کا ٹھٹ خسرو کے بہانے شیریں کے گرد جمع ہوگیا تھا اور ہر فرد بشر کی گرسنہ نظریں اس کے چہرہ کے صدقہ ہو رہی تھیں۔ جب خاوند کا نام خسرو سنا اور خسرو کو نشہ کا شکار اور خاک میں لوٹتا ہوا بیقرار پایا تو فرہاد نے محویت سے چونک لوگوں کے جم غفیر کو شیریں کے گرد پایا اور کچھ سوچ کر شیریں سے کہنے لگا "اے نیکبخت تیرے خاوند کو تو اب بر قنداز شب بھر کے لئے لے جائیں گی اگر تجھے کوئی اعتراض نہ ہو تو چل میں تجھے تیرے گھر تک پہونچا آؤں۔ شیریں نے فرہاد کی ہمراہی غنیمت تصور کی اور لوگوں کی جمگھٹ سے نکلکر اس نے دم لیا۔

"تم کون ہو صاحب"

"فرہاد"

"فرہاد سنگ تراش؟"

"ہوں تو سنگ تراش ہی۔ مگر تجھے میرا نام کیونکر معلوم ہوا؟"

"اے واہ۔ فرہاد کا نام کون نہیں جانتا۔ مگر تجھے یہ میرا گھر آ گیا۔ یہ نیچے میرے ہی ہیں!"

فرہاد شیریں کے گھر کے سامنے ٹھٹکا اور ایک نگاہ شیریں پر ڈالکر بیساختہ کہنے لگا۔ "تجھے یہ تو معلوم ہے کہ میں سنگ تراش ہوں میرا پیشہ بُت تراشنا ہے۔ اگر تو منظور کرے تو میں تیرا بُت بناؤں"

"مجھے اس سے کیا انکار ہے۔ مگر میرا خاوند نہ مانیگا۔"

"میں تیرے خاوند کو معقول معاوضہ دونگا کیا وہ پچاس اشرفیوں پر رضامند ہو جائے گا؟"

"میں دریافت کرکے کہوں گی"

"اے نیکبخت۔ وہ خدا جانے کب ہوش میں آوے اور کب جواب دے۔ اور مجھے تضیع اوقات مقصود نہیں۔ اگر تجھے انکار ہے تو مجھے اسرار نہیں۔ اور تجھے اعتراض نہیں تو تیرے خاوند کی رضامندی ایسی کوئی ناممکن نہیں"

"بھلا مجھے کب انکار ہو سکتا ہے۔ فرہاد کے کہے کو میں کب ٹال سکتی ہوں"

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

فرہاد کی آنکھ کھلی تو دیکھتا ہے کہ صبح کا سُہانا سماں ہے۔ سورج کی سُنہری کرنیں غرفہ میں سے چھَن چھَن کر آ رہی ہیں۔ کروٹ بدلی۔ آنکھیں ملیں جمائیاں تھیں کہ وار نہ لیتی تھیں۔ خمار اور پھر خمار کا خمیازہ۔ "اگر خواب تھا

تو حیرت اور واقعہ تھا تو اس سے زیادہ تعجب۔ اور مزہ یہ ہے کہ شیریں کا نقش و نگار اس دم تک میرے دماغ میں صاف موجود ہے۔ وہ تمام سماں میرے نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور پھر حیرت یہ ہے کہ اگر خواب نہ تھا تو یہ کیوں نہیں یاد کہ شیریں کو گھر پہونچا کے میں کہاں گیا اور گھر کب آیا" بار بار آنکھیں ملیں۔ صبوحی پی۔ اور بالآخر ایک گہرے غوطہ میں گیا۔ بڑی دیر کے استغراق کے بعد تکیہ سے سر اٹھایا آفتاب کے پیامبروں سے کمرہ بھرا ہوا تھا۔ فرہاد نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور مسہری سے اٹھ قد آدم آئینہ کے سامنے گیا اور کہنے لگا۔

"اے مایۂ نازِ قدرت شیریں۔ اگر عالم رؤیا ئے میں تو خیاں کی نازک کلی ہو کر چٹکی تو عالم بیداری میں تو پھول ہو کر کھلے گی۔ اگر خوابستان میں مثل بوئے یاسمن اڑ گئی تو چمنستان میں تو رنگ گل ہو کر کھلے گی اگر دنیائے خیال میں تیری زندگی چند لمحہ کے لئے مستعار تھی تو اس جہان حقیقت میں تو حیات ابدی حاصل کرے گی۔

اگر کوہستان میں تجھے شبنم سان طلوع مہر منیر تک جگہ ملی تھی تو مرستان میں تو روز و شب ہستی لا یزال پائے گی۔ اگر تیرے حسن کا نغمہ میرے گوش تصور میں چند لموں تک رہا تو وہ دنیا کے پردے پر تا حشر باقی رہیگا۔ انسانی ہستی آفرینش و موت کے خطوط وحدانی میں بند ہے مگر تیری ہستی حدود حال و استقبال سے مبرا رہیگی۔ نظام عالم کا ثبات شیریں کا ثبات ہوگا اور اجرام فلکی کی ہستی سے شیریں کی ہستی وابستہ ہوگی۔ نہ تجھپر عمر کا جادو کارگر ہوگا نہ انقلاب زمانہ تجھے تسخیر میں لاسکیگا۔ اے شیریں تیرا عاشق۔ تیرا بندہ۔ تیرا خالق فرہاد تجھے ثبات

ابدی بخشیگا۔ تیرا نام بیاض حسن کے پہلے صفحہ پر مزین ہوگا اور تیرے حسن کی شمع کا بزم دنیا میں تا سحر قیامت اُجالا رہیگا۔"

* * * * * * * * * * *

فرہاد نے شیریں کا ایک بے مثال سنگ مرمر کا بت تیار کیا جس کے ہر عضو میں سوا روح کے اور سب کچھ تھا۔ اور وہ بت حقیقت میں حسن و خوبصورتی کا ایک اعلےٰ ترین نمونہ تھا جس محنت و جانفشانی سے تیار ہوا تھا واقعی اس کے مقتضی تھے کہ صناع اسے اگر اپنی روح اور اپنی قوت متخیلہ کا پتلا کہتا اور اپنی خون جگر سے تیار کی ہوئی مورت تصور کرتا تو بجا ہوتا۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ جس شے کو انسان ایسی عرق ریزی اور تندہی سے تیار کرے کہ جیسے فرہاد نے شیریں کے بت کو کیا تو حقیقت میں وہ بنانے والے کا ایک حصہ ہو جاتی ہے۔ شاعر کا کلام گویے کا راگ۔ مغنی اور طبلہ نواز اور رقاص کی گتیں۔ نیز مصور کی مرقعے اور انشاپرداز کی عبارت آرائی یہ سب وہی حیثیت رکھتی ہیں جیسے فرہاد کی شیریں۔ مگر جس یکسوئی اور یک نظری سے فرہاد نے شیریں کو بنایا تھا اس نے پردہ دوئی کو اسی طرح اُٹھا دیا کہ جیسے طلوع مہر روز و شب کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے اسے چاک کر دیتا ہے۔ حقیقت میں روز و شب ایک ہی ہیں۔ صرف دیکھنے کا فرق ہے مہر نیر انسان کو چشم بینا دیتا ہے اور اسیطرح فرہاد کے دیرینہ عشق نے چشم بینا عطا کی اور جب شیریں کا بت تیار ہو گیا تو اسے اس میں اور خود میں مرد و زن کی تمیز باقی نہ رہی۔

ظلمت خیال سے پردہ سے شیریں نے فرہاد کے افق صناعی پر طلوع کیا۔ پو پھٹتے ہی فرہاد آنکھ کھولکر جو دیکھتا ہے تو پھول والی کا عکس آئینہ دل میں صاف نظر آرہا ہے۔ صبح صادق ہوتے ہی تصویر یار خیال سے محو ہونی شروع ہوئی۔

ہر چند خیال کو دوڑاتا ہے۔ تصور کو آگے بڑھاتا ہے۔ مگر شیریں ماہ چہار دہم کی چاندنی کی طرح سورج کی کرنوں سے نمودار ہوتے ہی مفقود ہوگئی صرف ایک وہم سا باقی رہگیا اور وہ تکلیف دہ۔ جب ساغر تصور میں مئے حسن ہی نہیں رہی تو سرور عشق کیسا۔ وہاں تو صراحی بھی اب خالی تھی۔

فرہاد نے اپنی سفینۂ حیات کو تیشہ کی دھار پر ڈالدیا اور ایام بے لگام کی موجوں سے ہم بغل ہوتا قلزم ابدی میں جا پہونچا۔

جزیرۂ مرمرستان میں حسن و عشق کی کہانی اور شیریں فرہاد کا واقعہ بچہ بچہ جانتا ہے ٭

"آصف علی"

ناظرین براہ کرم خط و کتابت میں نمبر خریداری

ضرور لکھیں۔

پیغامِ حیات

نگاہیں پڑ رہی تھیں بادلوں کی کھیت پر کب کی ۔ کہ سیلابِ گہر اُٹھیگا اُن سے آج دنیا میں
مگر اُن کی حیاتِ مضطرب کا دیکھ کر نقشہ ۔ جھلک آئے ہیں اشکِ خوں ہماری چشمِ تمنا میں

نگارستانِ عالم کی تھی زینت جن سے وابستہ ۔ تڑپتے تھے ہزاروں بوسے جن کے گوشۂ لب میں
مگر لائے تھے وہ دنیا میں اتنی مختصر ہستی ۔ کہ یہ محفل کی محفل اٹھ گئی اک دو پیالوں میں

ذرا سی چھائی ہی اس وقت اُن ناشاد کلیوں پر ۔ کہ جن پر ناچتی پھرتی تھی خوشبو صبحدم کیا کیا
بہارِ رفتہ نے اُن کو اوڑھایا ہی کفن ایسا ۔ کہ جس سے چھا رہا ہے اک دلِ عالم پہ غم کیا کیا

حیاتِ مختصر سمجھے ہوئے ہیں جس کو وہ دنیا ۔ ہمارے واسطے لائی ہے اک پیغامِ روحانی
ہر اک تارِ نفس سے نغمۂ جذبِ پوشیدہ ۔ نمایاں ہو رہا ہے مدتوں کا دردِ انسانی

ہمارا ہر نفس ہو شورشِ ہستی کی وہ صورت ۔ ہمارے خوں کا ہر قطرہ فضائے انقلابی ہو
ہماری آفرینش ہی سے گر دنیا ہے وابستہ ۔ تو پھر کیونکر نہ ہر اک شے میں ہمکو کامیابی ہو

ہماری موت وجہِ ظلمتِ دنیا ہے سُن کر تو ۔ بہت تاریخِ عالم رو دیگی ہم کو زمانے تک
بہت دہرائیں گی قومیں ہمارے کارناموں کو ۔ مگر مٹ جائیگا خود ہی جہاں ہم کو مٹانے تک

سکوتِ مُردہ تا کے، لب پہ مُہرِ خامشی تا کے ۔ سکوں آموز ہوگی جنبشِ خوں تا کجے تن میں
نہ اُٹھیں نغمۂ بیتاب کیوں اس جسمِ مُردہ سے ۔ رہیگی روح کب تک دفن اس بوسیدہ مدفن میں

اگر رہنا ہے دنیا میں تو دنیا کو کرو روشن ۔ بنے بھی تو ہے کیا اس عفونت خیز ظلمت میں
دلِ بیتاب ہو پہلو میں جیسے لطف جینے کا ۔ بسر کیجے جہاں میں وہ کہ کچھ پاؤ جنت میں

اگر ہم خواستگارِ ہستیِ شاداب ہیں قیصر ۔ اگر ہم چاہتے ہیں خود کو دیکھیں بزمِ امکاں میں
تو تحریکاتِ عالم کو نظامِ زندگی سمجھیں ۔ نئی اک روح پھونکیں قالبِ ایامِ بیجاں میں

قیصر (بھوپال)

زبردست کی رضا سرپر

یہ مضمون صرف مسلمانوں سے متعلق ہے دیگر مذاہب سے چنداں بحث نہیں

دُنیا میں انسان کی دو ہی جنسیں ہیں۔ مرد اور عورت یا یوں سمجھئے کہ دُنیا کا قیام ان ہی دو جنسوں پر منحصر ہے۔ انسان ہی کیا جانوروں کے وجود اور بقائے نسل کا بھی یہی راز ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مردوں کو عورتوں پر ترجیح کیوں۔ حالانکہ غور کامل کے بعد یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ عورت تن تنہا اپنی زندگی کی ضرورتوں کو بہم پہونچا سکتی اور عصمت کے ساتھ بسر کر سکتی ہے اور مرد بغیر عورت کی مدد کے اپنی احتیاجات کو پورا کرنے میں بسا اوقات معذور ہوتا ہے۔ تارک الدنیا۔ اور اولیاء اللہ کا یہاں ذکر نہیں۔ کوئی صاحب ان کو میری منشا کے خلاف ثبوت میں نہ پیش کریں۔ میری مُراد عام مردوں اور عورتوں سے ہے۔ نہ کہ خاص خاص سے۔ اور اس بحث کو میں نے شکایت کی غرض سے پیش نہیں کیا ہے۔ بلکہ عام عورتوں کی جانب سے وکیلانہ عام مردوں کی خدمت میں جائز حقوق کی درخواست کی ہے۔ میں اپنی تحریر میں اگرچہ اصلیت اور صداقت کی راہ سے باہر قدم نہ رکھوں گی۔ مگر ممکن ہے کہ اس مشہور کہاوت کے موافق کہ "سچی بات کڑوی معلوم ہوتی ہے" میرے بیان میں بعض ناگوار صورتیں نظر آ جائیں۔ لہذا میں قبل از بیان ہی مخالفین سے معافی مانگتی ہوں۔ اور مردوں [illegible] [illegible] کا تنگ بنانا نہیں چاہتی خانہ داری کے تمام کاروبار صرف ایک عورت کی [illegible] [illegible] خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاسکتے ہیں۔

جس گھر میں عورت نہیں اوسکا مالک باوجود دولتمند ہونے کے طرح طرح

کی فکروں اور تکلیفوں میں مبتلا رہتا ہے۔ یہہ ایک ایسی بات ہے کہ اسکی زیادہ تشریح کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اور غالباً کسی کو اس بات سے مان لینے میں عذر بھی نہ ہوگا۔ کسی کا مقولہ "ہرکہ زن ندارد آرام تن ندارد" بہت صحیح اور بجا ہے۔ مرد صرف ایک ہی کام پر یعنی دوروزی کی تلاش میں شبانہ روز مصروف رہتا ہے اور بیچاری عورت کے ذمہ شوہر کی خدمت۔ بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام وغیرہ بہت سے کام ہوتے ہیں وُہ ایک مرد ہزار سودے کی سچی مثال ہوتی ہے۔ گھر گرستی کے انتظام کو تھوڑی دیر کے لئے ایک گاڑی فرض کر لیجئے تو مرد و عورت یعنی شوہر و زن بیشک اوس گاڑی کے دو پہیے ماننے پڑینگے۔ کوئی گاڑی بغیر پہیے کے نہیں چلتی۔ اس طرح گھر کا انتظام زن و شوہر کی باہمی شرکت و مدد کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اگر دو پہیئے والی گاڑی کا ایک پہیہ نہ ہو تو کیا وہ چل سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر چلتی ہوئی گاڑی کا روڑا اٹکانا کون عقلمندی کی بات ہے میرے اس بیان سے غالباً یہہ تو ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ دونوں جنسوں کو ایک دوسرے کے اتفاق اور ... یا یوں کہیئے کہ کامل مدد اور شرکت کی ضرورت ہے۔ اور جب ایسا ہے تو پھر کیا وجہ کہ عورتوں کو آزادی اور مختاری کے مساوی حقوق نہیں ... جاتے۔ بلکہ مرد آقا۔ اور عورت خادمہ۔ بلکہ کبھی کبھی اس سے بھی ... جاتی ہے یہاں پر بھی میں اُن خاص مردوں کا ذکر نہیں کرتی جو ... سے مستثنےٰ ہیں بلکہ میری تحریر کثیر التعداد اور عام مردوں سے متعلق ہے۔ عورت کو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ شوہر ...

مقررہ کو انجام دیکر اب آتا ہوگا لہذا اُس کے واسطے یہہ یہہ آرام اور راحت کی چیزیں درست اور تیار کر رکھیں اور جہاں مرد نے گھر میں قدم رکھا کہ وہ اوس کی خدمت کو تیار ہو جاتی ہے عورت کے خاوند ہوتے ہیں کچھہ شک نہیں نہ اس میں اوسکی کوئی بے عزتی ہے مگر مقتضائے انسانیت۔ ہمدردی۔ انصاف اور محبت یہ ہے کہ شوہر بھی اپنے آپ کو عورت کا خادم نہ سہی ہم پلہ اور برابر کا حقدار سمجھے۔ میں دیکھتی ہوں کہ ....کے آرام و آسائش کا جتنا خیال عورت کو ہوتا ہے مرد کو عورت کا اوسکا چوتھائی بھی نہیں ہوتا مرد نے اگر کسی طریق سے روزی حاصل کرنے ... سے باہر محنت اُٹھائی ہے تو عورت بھی اپنے شوہر کی حیثیت کے موافق راحت پہونچانے کے سامان فراہم کرنے میں گھر کی چار دیواری کے اندر پریشان ماری ماری پھرتی ہے۔ شوہر کو اسکا مطلق خیال بھی نہیں ہوتا کہ عورت نے ہماری راحت رسانی کے واسطے آگ اور ...پ لگا گرمی میں اپنا خون پانی کر دیا یعنی پسینہ کرکے بہا دیا ہے ... اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی چیز اپنی مرضی کے موافق ... ... کی تیاری میں کچھہ دیر ہوگئی۔ تو آپ ایسے ... ... کرنا ... ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا گویا شوہر کو ... ہے کہ وہ جا و بیجا حق ناحق ... جو چاہے زبان سے ... ہے۔ مگر کیا مجال کہ عورت زبان ... عذرت اور بریت ... نکال سکے۔ اِن باتوں کو بھی جانے دیجئے ہم روزمرہ دیکھتے ... ہیں کہ فلاں مرد نے کوئی نا جائز تعلق پیدا کر لیا۔ اور اپنی بیوی ... ہے مگر بیوی سے ہے کہ حرف شکایت زبان پر نہیں

لاسکتی یا نہیں لائی۔ حالانکہ عورت کے لئے اس سے زیادہ کوئی غم نہیں شوہر صاف علانیہ فخر کے طور پر رنڈی بازی کریں کچھہ عیب نہیں۔ عورت کی کیا طاقت کہ شوہر سے اس بارہ میں مواخذہ کر سکے۔ برخلاف اس کے عورت اگر اپنے کسی عزیز سے بھی ذرا زیادہ محبت سے ساتھہ ملے جُلے اور ہنسی بولی کہ شوہر کو اس ناکردہ گناہ اور بے بس کے حق میں بدگمانی پیدا ہوگئی۔ اور پھر اوس کو طرح طرح کی تکالیف پہونچانے کا بیڑہ اُٹھالیا۔ کیا خدا کے یہاں بھی یہی انصاف ہے۔ نہیں وہاں مرد اور عورت دونوں کے واسطے یکساں تعزیر ہے۔ مرد تھوڑی دیر کے لیئے ہٹ دہری کو چھوڑکر ذرا انصاف سے کام لیں تو اونکو میرے بیان کے راستی و دروغگوئی کا حال معلوم ہوجائیگا۔ ناجایز تعلق نہ سہی۔ ایک اور صورت بھی اسی کے ہم قریب نظر آتی ہے وہ یہہ کہ اگر عورت اتفاق سے بدصورت ہے۔ تو شوہر کو اوسکے ساتھ محبت نہیں ہوتی اور وُہ پہلے ہی دن سے اس فکر میں پڑجاتا ہے کہ دوسرا عقد کرنا چاہیئے۔ پھر بیچاری عورت کتنی ہی نیک کیوں نہو۔ اور شوہر کی خدمت میں اپنے آپ کو مٹا ہی کیوں نہ دے مگر اوس بیچاری کی کوئی اچھی بات اُسے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہہ ایک بات مانی ہوئی ہے جس سے محبت ہوتی ہے اوسکی ہر ایک بُری بات بھی اچھی نظر آتی ہے۔ اور جس سے محبت نہیں دِل ہٹا ہوا ہے۔ اوس کی اچھی بات بھی بُری دکھائی دیتی ہے یہہ صورت یعنی عقد ثانی عورت کی بدشکلی ہی پر منحصر نہیں بلکہ اور بھی سبب سے بیہودہ سبب اس کے محرک ہوتے ہیں۔ مثلاً عورت سے دو تین بچے پیدا ہوگئے۔ عورت میں آثار ضعیفی نمایاں ہونے لگے وغیرہ وغیرہ۔

یہہ انصاف کا خون کرنیوالے ایسی حالتوں میں اکثر سنت اور شریعت کو اپنی پشت پناہ۔ سپر اور آڑ بناتے ہیں۔ درا صل یہہ ہے کہ شریعت کو بدنام کرتے ہیں۔ یہہ فقرہ اونکے لوگ وبان رہتا ہے کہ دوسرا عقد کرنا منع نہیں عین خدا و رسول کے حکم کے موافق ہے پھر کوئی ایسا کرے تو کیا قباحت یہہ تو وہ مثل ہوئی۔ کہ میٹھا میٹھا ہپ۔ کڑوا کڑوا تھو۔ اپنی مطلب کی بات کے لئے تو قرآن اور حدیث سے سند لینے لگے۔ اور دوسرے کے لیئے گویا خدا و رسول کے احکام سے واقف ہی نہیں بیشک دوسرا عقد کرنا درست ہے قرآن و حدیث کے موافق ہے۔ امنا و صدقنا۔ مگر کوئی ان نام کے پیروان شریعت سے یہہ تو پوچھے کہ خدا نے دوسرا تیسرا عقد کرنیکے لیئے کوئی شرط ہی لگا دی ہے یا نہیں۔ عدالت اور مساوات پر تو۔ خوشی سے دوسرا عقد ہی کرلو۔ لیکن قہر تو یہہ ہے کہ وہ ایک شے کو جو اپنی خواہش کے مطابق ہے اختیار کر لیتے ہیں اور دوسری کی پروا نہیں کرتے حالانکہ شرط کے پورا ہونے کی حالت میں مشروط ناجائز ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں بیویوں کے درمیان عدالت اور مساوات نہ برتی جائے تو ہرگز دوسرا عقد جائز نہیں۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ مسخرہ پن یا حماقت سے کلام مجید کی آیت شریف کا ایک جزو لا تقربو الصلوٰۃ کو ہنسی خوشی لوگوں کو سناتے اور کہتے ہیں کہ دیکھو اللہ نے اپنے کلام پاک میں خود فرمایا ہے کہ "نماز کے پاس نہ جاؤ" توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ ان بھلے آدمیوں سے یہہ تو دریافت کرو کہ انتم سکاری کس آیت کا جزو ہے اور اس کے کیا معنے ہیں۔ اللہ نے نماز سے کس حالت میں منع فرمایا ہے۔ جبکہ تم نشہ میں ہو۔ نشہ سے مست ہو یہہ

نہیں کہ نمازسے ہی قطعاً منع فرما دیا ہے۔ اصل تو یہہ ہے کہ اللہ ہی ہمارے ان مالکوں کو توفیق نیک عطا فرمائے تو یہہ راہ راست پر آسکتے ہیں ورنہ ہمارا رونا چیخنا۔ کچھہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ ان کو خودغرضی نے ایسا بنا لیا ہے۔ کہ ہماری کوئی دلیل۔ ہماری کوئی گزارش ہماری کوئی ثبوت اور کسی قسم کی فریاد ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگنے دیتی۔ دنیا میں اچھے اور بُرے دونوں جنسوں میں ہوتے ہیں میں یہہ نہیں کہتی کہ تمام مردوں میں یہہ اوصاف بالا موجود ہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بہت سے خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو بدشکل۔ بدتمیز اور بے ہنر عورتوں کو بھی نہایت خوبی کے ساتھہ نباہتے ہیں۔ خود اپنی جان پر تکلیف اُٹھاتے ہیں مگر بیوی کو شکایت کا موقع نہیں دیتے۔ اور اوسکی دلشکنی کو جائز نہیں رکھتے مگر بات یہہ ہے کہ ہمیشہ حکم کثرت پر دیا جاتا ہے۔ قلت پر نہیں۔ چونکہ زیادہ حصہ مردوں کا انہی اوصاف سے آراستہ ہے جسکا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اسلیے میں نے یہ مضمون صرف دو غرضوں سے لکھا ہے اور دو باتیں اس سے مقصود ہیں ایک یہہ کہ شاید میری ناچیز تحریر کا کچھہ اثر اس جنس پر ہو اور وہ اپنی بے بس اور وفادار غلام کو مستحق عنایت سمجھے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ میری بہنیں اس زہریلی اور ناقص ہوا سے عام مالکوں کو متاثر جانکر اونکی بے اعتنائیوں۔ کج خلقیوں۔ اور ناانصافیوں کا کچھہ دا نہ کرکے یہہ سمجھ لیں کہ ہم دنیا میں زبردست کی رضا مندی دل و جان سے ماننے اپنے شوہر کی حکومتوں کی برداشت کرنے اور اونکی خدمت و اطاعت ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ شوہر سے عنایت و محبت سے

پیش آئے۔ یا قہر و سختی سے ہم کو ہر وقت اوس کی دلجوئی اور آرام و راحت رسانی کی فکر میں دُنیا و مافیہا کو بھول جانا چاہیئے۔

بہنو۔ یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے خدا و رسول بھی خوش رہیگا دنیا کے حق پسند بھی خوش ہونگے اور چارناچار شوہر بھی سچے دل سے اگر خوش نہ رہیگا تو ظاہر میں ہی رعایت و عنایت رکھنے پر مجبور ہوگا دنیا کی زندگی چند روزہ ہے ہم کو اسکی پروا نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اوس عالم کی ہر وقت فکر رکھنا چاہیئے۔ جہاں اس عالم سے روپوش ہونے کے بعد ہمیشہ رہنا ہے اور وہاں خوش و خرم رہنے کے لئے ہمارے واسطے اطاعت والدین اور فرمانبرداری شوہر سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عمل کا بدلہ ضرور دیتا ہے۔ لہٰذا ہمکو حسن عمل کا پابند ہونا نہایت ضروری ہے اور ظاہری رنجوں کو اپنے پاس نہ آنے دینا اور یہ سمجھنا کہ سلے شمع تری عمر طبعی ہے ایک رات۔ ہنسکر گزار یا اسے روکر گزار دے۔ مقتضائے دانشمندی اور کامیابی کی لازمی دلیل ہے۔ گو مرد کو اپنی چستی۔ چالاکی۔ طاقت۔ زبردستی سے اس بات کا کامل یقین ہوتا ہے کہ میں عورت سے دُنیا کی کشمکش میں مُفید ثابت ہونگا کہ قوت فیصلہ۔ ضبط۔ نفاست۔ مذاق۔ رائے کی صحت میں کامیاب ہوتا ہے یعنی مرد و عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر جذبات اور احساس میں عورت مرد پر غالب ہے۔ مثلاً بھوک کا تحمل مرد سے بوجہ اس کے کہ اوس کے [illegible] دیتے ہیں اور تغذیہ کا تقاضہ بڑی شدت سے کرتے ہیں نہیں ہوسکتا۔ لیکن عورت تحمل کرلیتی ہے۔ امور خانہ داری کی مثال ایسی ہے کہ بوجھ مرد نہیں جھیل سکتا۔ ذرہ میں گھبرا جاتا ہے۔ کیا بات ہے۔

یہی بات ہے کہ عورت کا احساس تحمل مرد سے بہت تیز ہوتا ہے اس لیے عورت سہار لیتی ہے ویسے خدا نے مرد کو ہی عورت پر ہر طرح سے غالب بنایا ہے کہ دماغی۔ علمی۔ جسمانی اور دینی دنیوی حالتوں کو انجام دیتے ہیں۔

خداوند کریم نے جس کی ذات تمام دینی اور دنیاوی مصلحتوں کا سرچشمہ ہے۔ عورت کو ہلکے۔ کام کے واسطے پیدا کیا ہے۔ مرد کو مشکل کام کے واسطے خواہ وہ کام جسمانی ہو یا دماغی۔ اسلئے مرد کو عورت کے ساتھ اسی اندازہ سے پیش آنا چاہئے۔ بلکہ قدر کرنی چاہئے کہ خدا نے جس چیز کو کمزور بنایا ہے وہ کن کن مصائب اور سامنوں کو کس کس تحمل سے سہتی ہے اور ساتھ دیتی ہے دیکھو انسان کے مزاج کا چار چیزوں سے تعلق ہے۔ اول (خون) سے دوم (صفرا) سے سوم (سودا) سے چہارم (بلغم) سے۔

یہہ قول میں نے اطبار یونانی سے نہیں لیا۔ بلکہ جرمنی کے ایک مشہور محقق لالشری نے لیا ہے۔

(۱) جنکا مزاج خون سے تعلق رکھتا ہے وہ لوگ اکثر بچوں سے اپنی حرکات میں مشابہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اکثر خوش رہنا۔ طبیعت میں استغراق کا ہونا۔ اور رنگوں کا موجود ہونا۔ دوستی دشمنی کا چندروز قائم رکھنا جلد سے مایوس ہو جانا۔ اور مایوسی سے بہت بیدل نہونا۔ خیالات کا دوڑ اپنی مرضی کا تتبع کرنا۔ چلبلے پن کا ہونا۔ ہمت کا ہونا۔

(۲) جن کے مزاج میں صفرا غالب ہوتا ہے اون پر امید۔ اور یاس کا اثر دیرپا اگرچہ ہلکا ہوتا ہے۔ ارادے میں بالخصوص جب کسی غرض سے

تعلق رکھتا ہو استحکام اور تیزی ہوتی ہے۔ یہہ مزاج خالص مردانہ مزاج ہے اور جوانی اور تندرستی کی حالت میں اسکا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) بلغمی مزاج اکثر سست ہوتے ہیں اور دیر میں پیدا ہوتے ہیں اور اونپر دیر میں عمل ہوتا ہے غرض ہر ایک قوت دیر میں عمل کرتی ہے یہہ مزاج خونی مزاج کی ضد ہے۔ سستی۔ کاہلی۔ بدقسمتی کی دلیل بین ہے۔

(۴) سوداوی مزاج ہیں۔ افسردگی زیادہ ہوتی ہے۔ متخیلہ قوی ہوتی ہے تحمل کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ میلان طبع کو مرض پر ترجیح ہوتی ہے محبت سے طبیعت نفور رہتی ہے۔ نفاست اعتدال سے زیادہ ہوتی ہے داہمہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ مراقیت۔ مالیخولیا۔ غیض وغضب دیرپا ہوتا ہے۔

لو بیویوں خوش ہو جاؤ تمہارا مزاج پہلی قسم کا مزاج ہے جسکو خون سے تعلق ہوتا ہے۔ سلے مرد عورتوں کی عزت کیا کریں۔ انمیں لاکھ خوبیوں کی ایک خوبی یہہ رکھی گئی ہے۔ کہ زندگی کے انقلابات کو بہت اچھی طرح نہ صرف یہہ سہہ لیتی ہیں بلکہ اپنی گذران اپنا میلان طبع اپنے مشغلات کو اوس انقلاب کے موافق بنا لیتی ہیں ضرورت پڑنے پر مرد بھی اس سے عاری نہیں مگر عورت تو اسکا تحمل آسانی سے ہوتا ہے مرد کو مشکل سے۔ بیاہی بیٹیاں بہت جلد اور بہت خفیف سی دقت یا بعض صورتوں میں بلا دقت اپنی سسرال کی خو۔ بو۔ رسم۔ رواج۔ طرز معاشرت وغیرہ اختیار کر لیتی ہیں گھر داماد بمشکل بھی مشکل سے کر سکتے ہیں۔ وجہ اوسکی یہہ ہے کہ کی طبیعت تشریح طلب اور خردبین ہوتی ہے۔ مرد کو جو کچھ دنیا میں

دکھائی دیتا ہے اوسکو وہ ایک اصول کے ماتحت لانا چاہتا ہے۔ عورت اسکے برخلاف اپنے اصول کو اوسکے ماتحت کردیتی ہے جو اوسکے سامنے ہو رہا ہے۔ اور اس ذریعہ کمزور مخلوق کی زندگی ہر ملک میں مرد کی نسبت آسانی سے گزر سکتی ہے۔

دوسری خوبی عورت میں فطرت کاملہ میں یہہ رکھی ہے کہ نیکی کا مذاق جس کو حسن اخلاقی کہنا چاہیے عورت میں بہت زیادہ ہے اسلئے کہ عمل کے احاطہ کے اندر ہے۔ اخلاق یعنی بلندی کا نمونہ جو مرد کے تخیلہ میں پیدا ہوتا ہے وہ عورت کے خواب میں بھی نہیں آتا لیکن عورت کے دماغ میں جو نیکبختی کا نمونہ ہے وہ ایسا ہے کہ اوسکی تتبع پر شریف عورتیں (ہندوستان کی) تقریباً سب کی سب قادر ہیں۔

اس مضمون کے پڑھنے والوں پر یہہ بات پوشیدہ نہیں اور ہر ایک اپنی واقفیت کے دائرے پر نظر ڈالکر دیکھہ سکتا ہے کہ مرد اخلاقی حیثیت سے زیادہ کمزور ہیں۔ کیونکہ بعض کا ائڈیل نمونہ بہت بلند ہے اور بعض سرے سے کوئی ائڈیل ہی نہیں رکھتے اسوجہ سے اخلاقی جنون میں مبتلا ہیں۔ مگر عورتیں۔ واللہ انکو خوش رکھے اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی بچے پالتی ہیں کپڑے سیتی ہیں گھر کا دھندا کرتی ہیں۔ اونکی دُنیا اوسکے فاندہی اون کی فرحت گاہیں اونکے بچے ہیں بری ترغیبوں سے مامون دُنیا کی کشمکش سے محفوظ۔ آپ بھلی اپنا گھر بھلا۔ زبانِ حال سے یہ شعر پڑھا کرتی ہیں۔ ؎

چگونہ شکر ایں نعمت گزارم
کہ زورِ مردم آزاری ندارم

[illegible] کو [illegible] کی [illegible] بہاری [illegible] خوب [illegible]
[illegible] صبح [illegible] ۔ [illegible] ۔ تا [illegible] اس [illegible] پہنچی
کثرت کار و قلت [illegible] کی شکایت [illegible] جانوروں کی [illegible]
[illegible] خوب سمجھتے ہیں [illegible] خوش اعتقاد عورتیں بھی پہونچ [illegible]
ان [illegible] لوگوں سے [illegible] کہ [illegible] کہتی [illegible] سے [illegible]
[illegible]

اس [illegible] جانور جب سو دفعہ
[illegible] تو پھر [illegible] میں [illegible]
[illegible] اپنی [illegible] ہے گویا گھر والوں کو اپنے [illegible]
[illegible] ہے چڑیا چڑے کی طرح ظالم اور [illegible]
نہیں [illegible] چھیڑ دیا تو [illegible] سینا [illegible] ذرا بچے کو
[illegible] دیا تو [illegible] ہو گیا۔ آمدم برسر مطلب ؎

جس [illegible] میں تھا ہمارا گھر
[illegible] رہتے تھے ایک سوداگر

[illegible] سے بھی ایک درجہ [illegible]
[illegible] بندوں کے دکھ درد میں ہاتھ باؤں
[illegible] دیکھو تو [illegible] آنکھ [illegible]
[illegible] سب ہی خوبیاں دی تھیں اور سب سے بڑھ کر رحم کی
[illegible] بیمار ہے تو سو سو دفعہ پوچھوانا۔ کہیں سے
[illegible] کی [illegible] تو اوس روز فاقہ۔ عزیز و اقارب کا کیا ذکر
[illegible] تو اوس کی بچی کو خود بہلا رہی ہیں۔ چڑیا کا بچہ

گھونسلے ہی گر پڑا تو اولاد - تک خاص فکر ہوگئی۔ شاید اس کا یہہ سبب ہو کہ اللہ نے اونکو اولاد نہیں دی تھی۔ اور بالوں کی سفیدی سے اُمید کی کھیتی پر بھی پالا پڑنا شروع ہوگیا تھا۔ اونکی انگنائی میں ایک پُرانا گوندنی کا درخت تھا جا بجا اوس میں چھینکے لٹکے ہوئے کسی کونڈی میں پانی ہے کسی میں باجرہ کسی میں روٹی کے ٹکڑے یا باسی کھچڑی کے دانے۔

اوس درخت پر کہیں ایک فاختہ کا جوڑا آن بسا۔ وہیں اونکے انڈے بچے ہوئے۔ اونکی حفاظت گویا خدا کی طرف سے انکے سپرد ہوئی ذرا منڈیر پر کوا آکے بیٹھا اور انکا دم سلب ہوا تسبیح پڑھنے میں بول تو سکتی نہیں۔ ہُوں ہُوں کر رہی ہیں اور ہاتھ کے اشارے سے ماما کو بتا رہی ہیں کہ کوا بیٹھا ہے اسے اُڑا دو۔ چیل کی آواز کہیں دور سے آگئی تو انکے اوسان گئے۔

ماما سے گھبرا کر۔ اچھی ذرا دیکھنا چیل کہاں بول رہی ہے۔

ماما۔ بیوی تمہیں توہم ہے۔

بیوی۔ میرے کانوں سے سُنو۔ چھوڑ دو جھاڑو۔

ماما۔ (انگنائی میں نکل کے) کہاں ہے! یہاں تو کوسوں پتہ نہیں۔ وہ دور ممٹی پر کالا کالا دھبہ سا البتہ نظر آتا ہے۔

بیوی۔ غنیمت ہے نیکبخت! چیل اسی کو کہتے ہیں۔

ماما۔ تو بیوی اتنی دور سے نگوڑی کو سوجھتا کیا خاک ہوگا۔

بیوی۔ جی ہاں۔ جبھی تو چیل کی آنکھ مشہور ہے۔ اچھا جوتی دکھاتا اُلٹی کرکے (چیل اُڑ گئی) دیکھا۔ اپنی سی آنکھ سب کی نہ سمجھا کرو

دن کا تو یہہ حال ہوا۔ رات کو تخیل د توہم کا میدان زیادہ وسیع ہوجاتا

ہے۔ شام ہوئی اور گھر کی بلی کو تو اُنھوں نے مونڈھے کے نیچے بند کیا اوپر سے سِل رکھی محلے کی بلیوں کی آمد و رفت کیونکر بند ہو۔ اسکے واسطے اُنھوں نے یہہ ورد کیا کہ نماز عشا سے فارغ ہوئیں اور آیتہ الکرسی چاروں قل پڑھے اور فاختہ کے گھونسلے کے گرد حصار کھینچدیا۔

اللہ بخشے ایک تو یہہ بیوی تھیں جن سے حصار فاختہ کی ایجاد ہے ایک وہ اللہ کے بندے ہیں جو شکار فاختہ کے شائق ہوتے ہیں اللہ اونکو بھی بخشے۔

ایک جگہ یہہ بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ ایک شخص کے ایک ہاتھ پر شکرہ بیٹھا ہوا تھا دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں ایک مینا۔ ایک مینا کہاں تھی کوئی آدھی پونی ہوگی۔ ایک بازو تو جڑ سے ندارد ہے دوسرا لٹکا ہوا ہے اور پیٹ پر پروں کی بجائے پسلیاں نظر آرہی ہیں۔ اوسکو کنکر پتھر کی طرح دو تین قدم کے فاصلے پر پھینکدیتا ہے۔ بیچاری سنبھل کے بیٹھنے بھی نہیں پاتی کہ دوسری طرف سے شکرہ اُڑ کے پھر آن دباتا ہے۔ شکاری اپنی چٹکی سے اوس مینا کا گوشت ذرا سا نوچ کے شکرے کی چونچ میں دیدیتا ہے اور دونوں کو الگ کر دیتا ہے۔ اس جلادی کو دیکھکر مجھے نہایت اذیت ہوئی۔ اگر خدا اختیار دیتا تو دو تین شکاری کتے میں اوس شکاری پر چھوڑ دیتا یا کم از کم اوس شکرے کے پر نوچ کے اوسکے آگے ڈالدیتا۔ اچھا ہی ہوا جو اختیار نہ ہوا ورنہ میری حرکت کیا اوس شکاری سے کم ہوتی ؎

اِس بے بسی پہ ذوقِ بشر کا یہہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو ذرا اختیار دے

آخر ضبط نہ ہو سکا اور میں نے ذرا خشونت آمیز لہجہ میں کہا یہ کیا ظلم کر رہے ہو۔ وہ بھلا مانس ظلم کو کوئی آسمانی نعمت، شناختی اور شجاعت وغیرہ کا مرادف سمجھا یا یہ خیال کیا کہ ناواقف آدمی ہیں اس مشغلے کا نام پوچھنا چاہتے ہیں۔ بے اشتیاقی سے جواب دیا۔ "شکرے کو باولی دے رہا ہوں" میں نے کہا اِس مینا کے حال پر تم کو ذرا رحم نہیں آتا؟ وہ اس جملے کو بھی استفسار مزید سمجھا اور کہنے لگا "جناب باز بہری کا بنانا پھر آسان ہے شکرے کا کھیل بالکل بہت دور ہے۔ تھوڑے اُڑے لگ جاتے ہیں شکرہ آنکھ بھی نہیں ملاتا۔ یہاں کلہم چار دن ہوئے پکڑے ہوئے۔ پرسوں صاف دیا کل سے اس مینا پر لگا دیا۔ آپ کی دعا سے دوسری مینا ختم نہ ہوگی نہ تیتر پہ آئیگا" میں نے اپنے دل میں کہا "ہاں بھائی میری دعا سے" اور چپکا وہاں سے روانہ ہوا۔ خدا کے کارخانے ہیں وہ حصار فاختہ والی بھی انسان تھیں اور یہہ باولی والا بھی انسان ہی تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اشرف حسین

ناظرین براہ کرم خط و کتابت مین نمبر خریداری ضرور تحریر کرین۔

منیجر

شمع اور پروانہ

شمع سوزاں ایک کاشانہ میں تھی اپنی جل رہی ہر طرف پھیلی تھی جس کی جگمگاتی روشنی
دیکھتا تھا اک پتنگا شوق سے اسکی بہار دل ہی دل میں کر رہا تھا جان و سر نثار
لو لگا کہتی تھی اسنے اپنے دل میں شمع سے کر رہا تھا صدقہ و قرباں جاؤں میں ترے
حق نے بخشی ہے تجھے کیا روشنی اور آب و تاب ہیچ ہیں بس تیرے آگے آفتاب و ماہتاب
اتنے میں اک مکھی آئی بھنبھناتی اس کے پاس اور یوں کہنے لگی تو ٹھیک رہنے دے حواس
اے پتنگے کس پہ شیدا ہے اگر پروانہ ہے تو؟ شمع سوزاں ہے یہ غافل جس کا پروانہ ہے تو
یہ جلا دیگی تجھے گر پاس اسکے جائے گا جل کے مر جائیگا ناداں دیکھ تو پچھتائیگا
سن کے پروانہ یہ بولا ہے غلط تیرا کہنا ہے یہ ناممکن کہ مجھکو پھونک دے یہ خوشنما
بولی مکھی خوشنما بیشک ہے اسمیں شک نہیں پھونک دیتی ہے مگر ہر ایک کو یہ کر یقیں
میں بھی نادانی سے اسکے پاس غش ہو گئی جل ہی جاتی سوز سے۔ باقی تھی لیکن زندگی
طعن سے اسکو دیا پروانے نے پھر یہ جواب آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں ہے غلط یہ اے جناب
ایسی اچھی روشنی نقصان دے سکتی نہیں مجھکو آئیگا نہیں بن امتحاں ہرگز یقیں
مکھی بولی دیکھ غافل اچھی صورت پہ نہ جا ظاہری صورت میں اکثر پائی جاتی ہے دغا
پر یقیں آیا نہ پروانے کو اسکی بات کا شمع کی جانب اسے شوق اسکا آخر لیگیا
جوں ہی پہنچا پاس اسکے جل گئے سب اسکے پر مردہ سا نیچے گرا وہ سوختہ تن آنکر
شمع کے شیدا نے دیدی جاں تڑپ کر خاک پر شمع بھی رو دیا کی نادانی پہ اس کی رات بھر

مان لو تم ناصح مشفق کا کہنا مان لو
اپنی ہٹ دھرمی سے تم نقصان اپنا مت کرو

پان

ایشیا کی مہمان نوازی کا پلہ یورپ سے ہمیشہ بھاری رہا ہے، یورپ میں اگر تو اضعًا تمباکو اور چائے پیش کی جاتی ہے تو ایشیا میں علاوہ اِن کے عطر اور پان بھی پیش کیا جاتا ہے۔ سب اپنی اپنی جگہ اچھی چیزیں ہیں اور مفید۔

یوں تو عالم نباتات میں اچھے اچھے خوشنما پتے ہیں مگر جو فروغ پان کے پتے کو حاصل ہے اور کسی پتے کو حاصل نہیں ہوا۔ سبز مائل بزردی پتلا اور کرارا ایک دُنیا ہے کہ پان پر جان دیے دیتی ہے۔ طب کی رُو سے دیکھیے تو پان کو مقوی دل و دماغ و معدہ مصفی خون مخرج رطوبات مانا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ اِن امور کی تصدیق کرتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد لازمی طور پر گلے میں چکناہٹ رہجاتی ہے جسکا دفعیہ کوئی خشک چیز کھانے سے بھی نہیں ہوتا۔ اِسکے علاوہ کھانے کا مزا اور کچھ کچھ بقیہ زبان اور دانتوں میں لگا رہجاتا ہے۔ جسکے لیے پان سے بہتر شاید ہی اور کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ پان کھانے سے مُنہ ستھرا۔ دانت صاف۔ طبیعت بشاش اور معدہ صحیح رہتا ہے۔ مگر یہ کب۔ جب پان سے جائز حدود کے اندر فائدہ اُٹھایا جائے۔ ورنہ یہی پان زیادتی کے باعث بجائے معدہ کو تقویت پہنچانے کے ضعف معدہ ہو جاتا ہے۔ دانتوں کی جڑوں کو کمزور کر دیتا ہے اور صفائی سے غفلت کی جائے تو مسوڑھوں دانتوں کی چمک کو مٹا کر دانتوں کا ستیاناس کر دیتا ہے۔

یہ تھا طبی پہلو پان کے فوائد کا حسن پرستی کی نظر سے دیکھئے تو پان میں اور بھی دلفریبی اور دلربائی کی ادائیں موجود ملیں گی کسی حسین بالمن صبیح حسین کی باترتیب سفید براق بتیسی اور پتلے پتلے ہونٹوں پر پان جو قیامت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے۔ ذرا لبوں پر مسکراہٹ آئی اور ایسا معلوم ہوا گویا شفق میں بجلی گوندگئی۔

پان بنانے اور پیش کرنے کے بہت سے طریقے ہیں کہیں اسکی مثلث نما گلوریاں بنائی جاتی ہیں۔ کہیں مستطیل کہیں مخروطی شکل کی۔ ان میں سے ہر ایک انداز بجائے خود قابل قدر ہے۔ کسی سلیقہ شعار حسین کے نازک نازک ہاتھوں کی بنی ہوئی گلوریاں طشتری یا خاصدان میں رکھی ہوئی ملاحظہ کیجئے معاً گلوری لینے کو جی نچاہے تو ہمارا ذمہ۔ ہندوستان کے خاص خاص رنگین شہروں میں پان اور پان کی فروخت سے وہ فائدہ اُٹھایا جاتا ہے جو یورپ میں ہوٹلوں کی مدارات سے۔ حسینوں طرحداروں کے ہاتھ کی گلوریاں ان مقامات میں تجارتی اشیاء کا ایک جزو عظیم ہوتی ہیں۔ رات کو کسی شوقین دوکاندار کی دوکان پر عجیب بہار ہوتی ہے۔ تماشائی جوق جوق جمع ہیں پیسے پر پیسہ پڑ رہا ہے۔ پان دیئے جا رہے ہیں۔ پھبتیاں اُڑ رہی ہیں۔ جگت بازی ہو رہی ہے۔ ایک دل لگی کا سامان ہے۔ شوقین ہیں کہ کبھی اس دوکان پر ٹھہرے دو دو منہ ہنس بول لئے کبھی اُس دوکان پر کھڑے ہوگئے اور مذاق کرنے لگے۔ سیر کی سیر تفریح کی تفریح۔

پان کے لوازمات میں الائچی تو ایک معمولی بات ہے زیادہ تکلف مقصود ہو تو کتھے کو عطر میں بسایا جاتا ہے۔ زعفران مشک جاوتری ڈالی جاتی ہے اور اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ تکلف کا بنا ہوا پان نہایت مفرح ہوتا ہے۔ "سید عزیز حسین"

سلاجقہ روم کے نقرئی سکہ جات

سلجوق کی اولاد نے مغربی ایشیا میں جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی، وہ سو برس کے اندر اندر متعدد حصوں میں منقسم ہوگئی۔ جلال الدین ملکشاہ ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء - ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء کے انتقال پر محمد اور برکیارق میں جب خانہ جنگیاں شروع ہوئیں تو سلطنت کو روز بروز انحطاط ہونے لگا جس سے فائدہ اٹھا کر چند سلجوقی شہزادوں نے کرمان عراق شام روم وغیرہ میں اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں جو سلطان معزالدین سنجر ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء - ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء کے مرنے تک مطیع و منقاد رہیں پھر انہوں نے خودسری اختیار کرلی۔

رومی شاخ کا سلسلہ سلجوق کے بیٹے اسرائیل تک پہنچتا ہے۔ ۴۵۵ھ/۱۰۶۴ء میں جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا تو قتلمش نے اسکی مخالفت کی اور ترکمانوں سے امداد حاصل کرکے بہت سے علاقوں پر قابض ہوگیا۔ الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس بغاوت کا انسداد کرنا چاہا اور کثیر التعداد سپاہی ہمراہ لیکر لشکر کشی کر دی دامغان کے پاس مقابلہ ہوا عین معرکہ میں قتلمش کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ ایک چٹان پر گر پڑا جس کے صدمہ سے دماغ پاش پاش ہوگیا اور روح پرواز کر گئی اس کے بعد الپ ارسلان نے اس کے اہل و عیال کو قتل کرنا چاہا۔ مگر بعض علماء طوس نے سفارش کی تو بادشاہ نے نہ صرف اپنا ارادہ فسخ کردیا بلکہ سلیمان بن قتلمش کو شام کی سپہ سالاری بھی دیدی سلیمان نے شام میں پہنچ کر اپنے علاقہ کو وسیع کرنے کی ابتدا کیا۔ اور قرب و جوار کے شہروں پر یورشیں شروع کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں حلب و انطاکیہ فتح ہوگئے ان فتوحات سے برہم ہوکر تاج الدولہ تتش بن الپ ارسلان

سنہ ۴۷۹ھ (۱۰۸۵-۱۰۸۶ء) میں تتش نے سلیمان کے مقبوضات پر حملہ کر دیا۔ سلیمان نے پریشان ہو کر خودکشی کر لی۔ اور تمام علاقہ تتش کے قبضہ میں آگیا۔ ملک شاہ نے ان واقعات کو سنکر اپنی ناراضگی ظاہر کی اور سلیمان کے بیٹے داؤد کو تمام ممالک واپس دلا دیا۔ جس کے بعد یہاں کی حکومت اس خاندان میں موروثی ہوگئی۔ داؤد کے انتقال پر ملکشاہ اور مسعود نے یکے بعد دیگرے ۱۵ سال حکمرانی کی اور اپنی زندگی میں سلاجقہ اعظم کے زیر فرمان رہے سنہ میں جب قلیج ارسلان برسر حکومت ہوا تو اس نے آزادی حاصل کر لی اور سب سے پہلے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

یہ سلطنت سنہ ۴۷۰ھ سے لیکر سنہ ۷۰۰ھ (۱۰۷۷ء-۱۳۰۰ء) تک قریباً ۳ سو برس قائم رہی اور ۱۶ بادشاہ برسر حکومت ہوئے جنکے سنین جلوس اور شجرۂ نسب ذیل میں درج ہیں۔

سنین جلوس

۱	سلیمان اول بن قتلمش	سنہ ۴۷۰ھ سنہ ۴۷۹ھ سنہ ۱۰۷۷ء سنہ ۱۰۸۶ء
	وقفہ (وہ زمانہ جبکہ تاج الدولہ تتش کا قبضہ رہا)	سنہ ۴۷۹ھ سنہ ۴۸۵ھ سنہ ۱۰۸۶ء سنہ ۱۰۹۲ء
۲	داؤد قلیج ارسلان	سنہ ۴۸۵ھ سنہ ۵۰۰ھ سنہ ۱۰۹۱ء سنہ ۱۱۰۶ء
۳	ملک شاہ اول	سنہ ۵۰۰ھ سنہ ۵۱۰ھ سنہ ۱۱۰۶ء سنہ ۱۱۱۶ء
۴	مسعود اول	سنہ ۵۱۰ھ سنہ ۵۵۱ھ سنہ ۱۱۱۶ء سنہ ۱۱۵۶ء
۵	عزالدین قلیج ارسلان ثانی	سنہ ۵۵۱ھ سنہ ۵۸۴ھ سنہ ۱۱۵۶ء سنہ ۱۱۸۸ء
۶	قطب الدین ملکشاہ ثانی	سنہ ۵۸۴ھ سنہ ۵۸۸ھ سنہ ۱۱۸۶ء سنہ ۱۱۹۲ء
۷	غیاث الدین کیخسرو اول	سنہ ۵۸۸ھ سنہ ۵۹۷ھ سنہ ۱۱۹۲ء سنہ ۱۲۰۰ء
۸	رکن الدین سلیمان ثانی	سنہ ۵۹۷ھ سنہ ۶۰۰ھ سنہ ۱۲۰۰ء سنہ ۱۲۰۳ء
۹	قلیج ارسلان ثالث	سنہ ۶۰۰ھ سنہ ۶۰۱ھ سنہ ۱۲۰۳ء سنہ ۱۲۰۴ء
	کیخسرو اول (مکرر)	سنہ ۶۰۱ھ سنہ ۶۰۷ھ سنہ ۱۲۰۴ء سنہ ۱۲۱۰ء

۱۰ اعزالدین کیکاؤس اول سنہ ۶۰۷ھ سنہ ۶۱۶ھ سنہ ۱۲۱۰ء سنہ ۱۲۱۹ء

۱۱ علاؤالدین کیقباد اول سنہ ۶۱۶ھ سنہ ۶۳۴ھ سنہ ۱۲۱۹ء سنہ ۱۲۳۶ء

۱۲ غیاث الدین کیخسرو ثانی سنہ ۶۳۴ھ سنہ ۶۴۳ھ سنہ ۱۲۳۶ء سنہ ۱۲۴۵ء

۱۳ اعزالدین کیکاؤس ثانی سنہ ۶۴۳ھ سنہ ۶۵۵ھ سنہ ۱۲۴۵ء سنہ ۱۲۵۷ء

۱۴ رکن الدین قلج ارسلان رابع سنہ ۶۵۵ھ سنہ ۶۶۶ھ سنہ ۱۲۵۷ء سنہ ۱۲۶۷ء

۱۵ غیاث الدین کیخسرو ثالث سنہ ۶۶۶ھ سنہ ۶۸۲ھ سنہ ۱۲۶۷ء سنہ ۱۲۸۳ء

۱۶ غیاث الدین مسعود ثانی سنہ ۶۸۲ھ سنہ ۶۹۶ھ سنہ ۱۲۸۳ء سنہ ۱۲۹۶ء

۱۷ علاؤالدین کیقباد ثانی سنہ ۶۹۶ھ سنہ ۷۰۰ھ سنہ ۱۲۹۶ء سنہ ۱۳۰۰ء

شجرۂ نسب

قتلمش

(۱) سلیمان

(۲) داؤد قلج ارسلان

(۳) ملکشاہ اول — (۴) مسعود اول

(۵) قلج ارسلان ثانی

(۶) ملکشاہ ثانی — (۷) کیخسرو اول — (۸) سلیمان ثانی

(۱۰) کیکاؤس اول — (۱۱) کیقباد اول — (۹) قلج ارسلان ثالث

(۱۲) کیخسرو ثانی

(۱۳) کیکاؤس ثانی — (۱۴) قلج ارسلان رابع — (۱۷) کیقباد ثانی

(۱۶) مسعود — (۱۵) کیخسرو ثالث

تفصیل سکہ جات

(۵) قلج ارسلان

۱۔ دارالضرب۔ قونیہ۔ تاریخ ۵۸۲ھ ہجری

رخ اول لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ الناصر لدین اللہ امیر المومنین

حاشیہ ضرب ہذا الدینار بقونیہ

رخ دوم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ السلطان المعظم قلج ارسلان

حاشیہ سنۃ ثنتین وثمنین وخمس مائۃ

(۷) کیخسرو اول

۲۔ دارالضرب قونیہ۔ تاریخ ۵۹۲ھ

رخ اول لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ الناصر لدین اللہ امیر المومنین

حاشیہ ضرب ہذا الدرہم بقونیہ

رخ دوم محمد رسول اللہ۔ السلطان المعظم کیخسرو بن قلج ارسلان

حاشیہ سنۃ اثنین وتسعین وخمس مائۃ

(۸) سلیمان دوم

۳۔ دارالضرب۔ قیصریہ تاریخ ۵۹۷ھ ہجری

رخ اول گھوڑا سوار

حاشیہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ الناصر لدین اللہ امیر المومنین

رخ دوم السلطان القاہر ابو الفتح سلیمان بن قلج ارسلان ناصر امیر المومنین

حاشیہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہ ضرب بمدینہ قیصریہ سبع وتسعین خمس مائۃ

(۱۰) کیکاؤس اول

۴۔ دارالضرب۔ قونیہ تاریخ ۶۱۰ھ ہجری۔

رخ اول الامام الناصر لدین اللہ امیر المؤمنین

حاشیہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

رخ دوم السلطان الغالب۔ عز الدنیا والدین کیکاوس بن کیخسرو۔
حاشیہ ضرب ہذا۔ الدرہم بقونیہ سنتہ عشرۃ وستمائۃ
ن اسی قسم کے سکہ جات سیواس میں بھی مضروب ہوئے ہیں۔

(۱) کیقباد اول

۵۔ دار الضرب۔ قونیہ تاریخ ۶۱۷ھ ہجری
رخ اول السلطان المعظم۔ علاء الدنیا والدین کیقباد بن کیخسرو۔ حاشیہ ضرب ہذا۔ الدرہم بقونیہ
رخ دوم الامام۔ الناصر لدین اللہ امیر المومنین۔ حاشیہ سنتہ سبع عشر وستمائۃ۔
۶۔ دار الضرب۔ سیواس تاریخ ۶۱۶ھ ہجری
رخ اول السلطان المعظم کیقباد بن کیخسرو۔ حاشیہ ضرب۔ ہذا۔ الدرہم بسیواس
رخ دوم المومنین۔ الامام الناصر لدین اللہ امیر۔ حاشیہ سنتہ ست عشرۃ وستمائۃ

(۱) کیخسرو دوم

۷۔ دار الضرب۔ سیواس تاریخ۔ ۶۳۴ھ ہجری
رخ اول السلطان الاعظم کیخسرو۔ بن کیقباد۔ حاشیہ ضرب ہذا۔ الدرہم بسیواس
رخ دوم الامام۔ المستنصر باللہ امیر المومنین۔ حاشیہ سنتہ اربع ثلثین وستمائۃ
۸۔ دار الضرب سیواس۔ تاریخ ۶۳۷ھ ہجری
رخ اول الامام۔ المستنصر باللہ امیر المومنین۔ حاشیہ سنتہ سبع ثلثین وستمائۃ
رخ دوم السلطان الاعظم غیاث الدنیا والدین۔ کیخسرو بن کیقباد۔ حاشیہ ضرب ہذا الدرہم بسیواس
۹۔ دار الضرب قونیہ تاریخ۔ ۶۴۴ھ ہجری۔
رخ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الامام المستعصم باللہ امیر المومنین
حاشیہ فی سنتہ۔ اربع۔ اربعین۔ وستمائۃ۔
رخ دوم السلطان الاعظم ظل اللہ فی العالم غیاث الدنیا والدین۔ کیخسرو بن کیقباد۔

قسیم امیر المؤمنین۔ حاشیہ ضرب ہذا الدرہم بمدینۃ قونیہ۔

نوٹ: اس قسم کے قیصریہ میں بھی مضروب ہوئے ہیں۔ مگر ان کا سنہ ٹھیک نہیں ملتا۔

(۱۳) کیکاؤس دوم

۱۰۔ دارالضرب سیواس۔ تاریخ ۶۴۴ھ ہجری

رخ اول الامام المستنصر باللہ امیر المؤمنین۔ حاشیہ سنۃ اربعۃ واربعین وستمائۃ

رخ دوم السلطان المعظم عزالدنیا والدین ابو الفتح کیکاؤس بن کیخسرو حاشیہ ضرب ہذا الدرہم بسیواس

۱۱۔ دارالضرب سیواس۔ تاریخ ۶۴۴ھ ہجری۔

رخ اول السلطان الاعظم ظل اللہ فی العالم عزالدنیا والدین کیکاؤس بن کیخسرو۔

حاشیہ ضرب ہذا الدرہم بسیواس۔

رخ دوم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الامام المستنصر باللہ امیر المؤمنین حاشیہ سنۃ اربعۃ واربعین وستمائۃ

۱۲۔ دارالضرب قونیہ تاریخ ۶۴۵ھ ہجری

رخ اول السلطان المعظم عزالدنیا والدین ابو الفتح کیکاؤس بن کیخسرو۔

حاشیہ ضرب ہذا الدرہم بقونیۃ سنۃ خمس واربعین وستمائۃ۔

رخ دوم لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ محمد رسول اللہ۔ حاشیہ الامام المستعصم باللہ امیر المؤمنین

(۱۴) قلج ارسلان رابع

۱۳۔ دارالضرب سیواس تاریخ ۶۴۶ھ ہجری

رخ اول [illegible] حاشیہ السلطان الاعظم رکن الدنیا والدین قلج ارسلان بن کیخسرو

رخ دوم [illegible] امیر المؤمنین۔ الامام المستعصم باللہ امیر المؤمنین [illegible] ضرب ہذا الدرہم بسیواس فی سنۃ

[illegible] وستمائۃ۔

۱۴۔ دارالضرب [illegible] تاریخ ۶۵۵ھ ہجری

[illegible] الامام المستعصم باللہ امیر المؤمنین سنۃ خمس وخمسین وستمائۃ

[illegible] المعظم ظل [illegible] الدنیا والدین قلج ارسلان بن کیخسرو برہان امیر المؤمنین

اعز الدین کیکاؤس　　رکن الدین قلج ارسلان　　علاؤ الدین کیقباد

۱۵۔ دار الضرب سیواس تاریخ ۶۵۳ھ ہجری۔

رخ اول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الامام المستعصم باللہ امیر المومنین ضرب بسیواس سنۃ ثلثہ خمسین و ستمائۃ

رخ دوم السلاطین الاعاظم۔ عز الدنیا و الدین کیکاؤس۔ و رکن الدنیا و الدین قلج ارسلان و علاء الدنیا و الدین کیقباد بنو کیخسرو براہین امیر المومنین۔

(۱۵) کیخسرو ثالث

۱۶۔ دار الضرب سیواس تاریخ ۶۶۳ھ ہجری

رخ اول الملک اللہ۔ حاشیہ ضرب بسیواس سنۃ ثلث و ستین و ستمائۃ۔

رخ دوم السلطان الاعظم۔ غیاث الدنیا و الدین۔ کیخسرو بن قلج ارسلان۔

۱۷۔ دار الضرب ارزنجان تاریخ ۶۷۱ھ ہجری

رخ اول سنۃ ا ر ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الامام المعصوم امیر المومنین و ستمائۃ۔

رخ دوم ضرب بارزنجان السلطان الاعظم غیاث الدنیا و الدین کیخسرو بن قلج ارسلان۔ برہان امیر المومنین

(۱۶) مسعود دوم

۱۸۔ دار الضرب سیواس تاریخ ۶۸۱ھ ہجری

رخ اول لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ حاشیہ ضرب بسیواس سنۃ احد ثمانین و ستمائۃ۔

رخ دوم العظمۃ للہ۔ السلطان الاعظم۔ غیاث الدنیا و الدین ابو الفتح مسعود بن کیکاؤس

۱۹۔ دار الضرب۔ لاحمو تاریخ ۶۰۰ھ ہجری۔

رخ اول لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ ضرب بمدینۃ لاحمو فی ستمائۃ

رخ دوم السلطان الاعظم۔ غیاث الدنیا و الدین۔ ابو الفتح مسعود بن کیکاؤس۔

ن رائل نومسمیٹک سوسائٹی کے رسالوں اور نیز مسٹر اسٹینلی لین پول کی بعض تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قونیہ۔ سیواس مدینہ ارزنجان۔ مدینہ لولو

سینٹ پیٹرز برگ وغیرہ کے عجائب خانوں [illegible] انتک [illegible] حکیم شمس اللہ قادری

مبارک ہو

اُمہات الامۃ

مولفہ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم مغفور جو بعض کوتاہ بین علماء کے تعصب سے
پردہ دنیا سے نابود ہو چکی تھی اور جسکی مطالعہ کا شوق لوگونکو مضطرب کیے ہوئے تھا۔
جسکی ایک ایک جلد سو سو دو دو سو روپیہ شائقین قیمت دیکر کو تیار رہتے تھے اس کا حصہ
اول طبع ہو کر غیر مسلم اقوام کو مفت تقسیم ہو رہا ہے چونکہ اسکی اشاعت کی غرض
زیادہ تر یہ ہے کہ وہ غیر مسلم اقوام میں بکثرت تقسیم ہو تاکہ تعدد ازدواج رسول
مقبول پر جو اعتراضات ہیں انکی اصلاح ہو اور اسلام کی حقانیت انکی ذہن
نشین ہو اس لیے مسلمانوں سے توقع کیگئی ہے کہ وہ اسکو خرید کر اس کے حصہ
دوم و ترجمہ انگریزی کو مدد دیں تاکہ وہ بھی چھپکر بکثرت تقسیم ہو سکے کتاب کی
عمدگی کی نسبت کچھ لکھنے پڑنے کی ضرورت نہیں صرف مولانائے مرحوم
کا نام کافی ہے کہ وہ کس درجہ کی ہوگی حصہ دوم زیر اہتمام ہے اور ترجمہ ڈاکٹر
مشرف الحق صاحب کے ہاتھوں میں اب یہ مسلمانوں کے اختیار میں ہے
کہ اسکی تکمیل جسقدر چاہیں جلد ہو سکتی ہے قیمت بارہ آنہ (۱۲/)

منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے

نمبر (۳) مارچ سنہ ۱۹۱۵ع جلد (۸)

تمدن

کل نمبر (۵۵)

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹرز۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا۔ محمد عبد الراشد الخیری

(فہرست مضامین)

باہتمام مولوی محمد عبد الراشد الخیری

تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ قسم دوم ۱ روپیہ (کالنیاں پریس میں) قیمت فی پرچہ ۱۴ ر

عصمت

دہلی

جہاں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ تعلیم نسواں ترقی کا پہلا راز ہے وہاں اکثر بزرگان قوم نے یہ بھی مان لیا ہے کہ خواتین کے مطالعہ کیواسطے عصمت ایک نعمت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی فلاح و بہبودی ملحوظ ہے کنواری لڑکیوں کیواسطے عصمت سے بہتر سہیلی عصمت سے بہتر شفیق رفیق عصمت سے بہتر ناصح مصلح کا ملنا ناممکن ہے عصمت اُن کو بتائیگا کہ کنوارپنے کی زندگی اُن کو کس طرح گزارنی ہے۔ ماں باپ کا ادب۔ بہن بھائیوں کی محبت بڑوں کی تعظیم۔ چھوٹوں سے محبت الغرض منصبی ہے جس تک دنیا میں اُن کو شامل ہونا ہے اس کیلئے اُنھیں کیا تیاری کرنی ہے جو جو دقتیں اُن کو پیش آئیں گی اُن کو کس طرح رفع کرنا ہے۔ ساس نندوں کے ساتھ اُن کے تعلقات کیسے ہونے چاہییں غرض ان کی آئندہ زندگی کو تمام خطرات سے بچا کر پُر لطف با اطمینان بسر کرانے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں وہ بیاہی ہوئی لڑکیوں کو خانہ داری گھر کے حساب کتاب بال بچوں کی پرورش میں سب سے زیادہ جس چیز سے مدد مل سکتی ہے وہ عصمت ہے عصمت اُن کو بتائیگا کہ جس آمدنی کو وہ بے تامل خرچ کر رہی ہیں وہ کس محنت و مشقت سے پیدا کی گئی ہے جو بچے قدرت نے اُن کے سپرد کیے ہیں اُن کی ذمہ داریاں اُن پر کیا کیا ہیں کیا طریقہ ہے جن سے وہ بچے پل بڑھ کر جب گھر بار والے ہوں گے تو عزت سے زندگی بسر کریں گے اور عمر بھر اپنی ماؤں کو دعائیں دیں گے عصمت بتائیگا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے روپیہ کس طرح صرف کرنا ہے خاندان کیساتھ کیونکر بسر کرنی ہے۔ غرض عصمت لڑکیوں کو سچ مچ کی بیگم بنائے گا۔

ٹائیٹل پیج کی آب و تاب سنہری بیل درجہ اعلیٰ کا کاغذ۔ ہاف ٹون تصاویر تنہائی میں دل بہلانیوالا فرصت میں کہانیاں سنانیوالا۔ مذہب کی وقعت بتانیوالا عصمت سے بہتر ذریعہ اور کیا ہوگا عصمت کا ایک ایک حرف گوہر آبدار ہے ہر مہینہ (۶۴) صفحے کا رسالہ کوڑیوں کے مول ہوتی ہیں سالانہ قیمت (۲ روپے)

منیجر عصمت، و تمدن، دہلی

تمدن

مطرب آخرین کا نغمہ

اسکاٹ کی ایک مشہور تصنیف ہے قرون متوسط میں انگلینڈ و اسکاٹ لینڈ کی
سرحدی حالت نہایت ابتر تھی کبھی یہہ اُن پر چڑہائی کرتے تھے اور کبھی وہ ان پر
غرض اگر شام اطمینان سے ہوجاتی تھی تو صبح کا ٹھیک تھا اگر صبح امن و سکون سے ہوتی
تو شام کا خدا حافظ تھا۔ اسی کیفیت کو اسکاٹ نے اپنی اس نظم میں ایک مطرب کی زبانی
نہایت خوبی سے ادا کیا ہے لیکن چونکہ محبت گوشۂ امن و عافیت اور میدان کارزار پر
یکساں حکمراں ہے یہہ کتاب بھی واردات محبت کے تذکرہ سے خالی نہیں ورنہ اتنی ہی حصہ ہم پیش کرتے ہیں

جناب "عبدالجلیل" صاحب متعلم ایم اے اے او کالج علیگڈہ

باب ثانی

قطعہ ۲۵، جسوقت کہ آفتاب نے خاکی شب پوش اور دامن کوہ کو چمکایا
اور فوراً برنکسم کے برج اور ٹیویٹ کی لہروں پر چڑھتے ہوئے دن میں منتقی ہوئی

معلوم ہونے لگیں۔

اور جسوقت جنگلی چڑیوں نے چہچہا چہچہا کے اپنی کہانی کہنی شروع کی اور ہر پھول کھلنے والا جاگ اُٹھا زرد گل بنفشہ نے سر نکالا اور پہاڑی گلاب نے اپنا سینہ کھولا سُرخ گلاب سے زیادہ دلفریب اور زرد بنفشہ سے زیادہ زرد وادی ٹیوٹ کی سب سے زیادہ حسین دوشیزہ نے اپنا بستر خواب وقت سے پہلے چھوڑ دیا۔

قطعہ ۲۶۔ حسین مارگریٹ اتنا پہلے کیوں جاگ اُٹھی ہے اور اسقدر عجلت میں کیوں برقعہ پوش ہوگئی؟ اسکی نازک انگلیاں ریشمی گرہ دینے میں جنکو وہ عجلت میں دینا چاہتی تھی کیوں کانپتی ہیں؟ جب وہ مخفی زینہ سے آہستہ آہستہ اُترتی ہے تو بار بار اِدھر اُدھر کیوں دیکھتی ہے اور کیوں رک جاتی ہے؟ اور جب بڑے بالوں والا کتا اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے تو وہ اسکو کیوں پیار کرتی ہے؟ اور حالانکہ وہ چور دروازہ سے تنہا نکل رہی تھی لیکن پہرہ والے کا بگل کیوں نہیں بجتا؟

قطعہ ۲۷۔ اسکا ہر قدم اس خوف و شک سے پڑتا ہے کہ کہیں اسکی باخبر با آہسٹ نہ پا جائے، وُہ وحشی و خونخوار کتے کو پیار کرتی ہے کہیں اسکی آواز سے محل میں تمام لوگ بیدار نہو جائیں۔ پہرہ والے کے بگل نہ بجانیکی وجہ یہ تھی کہ وہ اسکا رضاعی بھائی تھا۔ وہ طلوع روشنی کے وقت چپکے چپکے سبز کنج سے ہوکر ہیرن ہنری سے جو اسکا سچا جانباز ہے ملنے جاتی ہے۔

قطعہ ۲۸۔ سبز یا تہارت کے شاخوں کے نیچے اس بہادر جانباز اور اس حسین خاتون کا یکجا بیٹھنا ایک ایسا منظر تھا جو آنکھوں کو پھر کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہو سکتا۔ ہنری ایک شاندار نوجوان اور دراز قامت شخص تھا جنگ میں وُہ خوفناک تھا

اور گھر میں محبوب۔

مارگیرٹ کی فرط محبت سے جسکو وہ بالکل ہی پوشیدہ رکھ سکتی تھی اور جسکا اظہار ہی کر سکتی تھی یہ حالت تھی کہ اسکے رخسار و نیز عجیب خوشگوار سرخی چھا گئی تھی۔ نیم آہ سرد نے اسکے متلاطم و موجزن سینہ کو ریشمین سینہ بند تک پہونچا دیا تھا۔ نیلگوں آنکھیں باوجود اس کے کہ اسپر سنہرے بالوں کا سایہ پڑتا تھا اپنا راز فاش کرتی تھیں۔ ایسا حسن بے نظیر جو مارگیرٹ سے مقابلہ کر سکے کہاں ملے گا۔

قطعہ ۲۹ اے حسین لڑکیوں میں خیال کرتا ہوں کہ تم میرا نغمہ سننے میں اس قدر مصروف ہو اپنے لہراتے ہوئے بال تم پیچھے پھینکتی ہو اور اپنی برف کے مانند گوری گردن ادھر اُدھر جھکاتی ہو۔ تم دو سچے عاشقوں کی جو وادی میں ملے تھے کہانی سننا چاہتی ہو۔

غالباً تم سننے کی خواہشمند ہو کہ اس جانباز نے اپنے باو فا جذبہ کی تصویر کھینچنے کی کس طرح کوشش کی اور قسم کھائی کہ وہ اس کے قدموں پر جان دینا گوارا کریگا مگر محبت سے باز نہ آئیگا۔

یہ سنکر مارگیرٹ کس قدر شرمائی اور اُسنے کیسے آہ کی اور نیم راضی و نیم منکر ہوکر اُس سے کہا میں تو کنواری ہی مرجاؤں گی، لیکن اگر نزاع خونی میں سکوت ہو جائے تو مارگیرٹ کا انتخاب ہنری کرنسموں ۔ اور صرف وہی ہوگا۔

مگر آہ! اے خوبصورت نازنینوں تمہارا یہ انتظار عبث ہے کیونکہ میرے باجے کا وہ سحر پرور اور دلکش راگ کھو گیا۔ میرے بال سفید ہو گئے، میرے اعضا ضعیف اور دل مُردہ ہو گیا اور میری رگیں سرد ہو چکیں محبت کا ترانہ اب میرے عمر کے شایان حال نہیں رہا +

مژدہ ہو کہ بیمار کو عیسیٰ نہیں ملتا

(از مولانا آزاد سبحانی)

اے سینۂ خالی دلِ بینا نہیں ملتا
اس گھر کا جو سرمایۂ کُل تھا نہیں ملتا

بیکار پڑا ہے ترا سامانِ تجلّی
اے وادیِ ایمن کوئی موسیٰ نہیں ملتا

جو رونق کاشانۂ جسم و دل و جاں تھا
حسنِ ازل افروز وہ جلوا نہیں ملتا

اس عالمِ امکان میں وسعت نہیں ملتا
جولانیٔ دل کو کوئی صحرا نہیں ملتا

خود تشنگی لب ہے تمنا سا نہیں خواہش
پھر اس پہ شکایت ہے کہ دریا نہیں ملتا

دل کیفیتِ ذوقِ تمنا سے ہے خالی
ساغر کو کنارِ لبِ مینا نہیں ملتا

خورشید تو ہر ذرہ میں ہے محو تماشا
مشکل یہ کوئی دیکھنے والا نہیں ملتا

عالم میں کسی سے تری صورت نہیں ملتی
ملتے ہیں بہت پر کوئی تجھ سا نہیں ملتا

اک کشمکش وہم حقیقت کو ہے حایل
موجیں ہیں پریشان، کنارا نہیں ملتا

طوفانِ حقیقت میں ہے گم قطرۂ ہستی
ہنگامۂ سیلاب میں تنکا نہیں ملتا

اک موجِ تخیل سے زیادہ نہیں عالم
جز وہم کہیں ہم کو سہارا نہیں ملتا

بندوں کو خدا! تیرے نہ ملنے کی شکایت
تجھ کو یہ شکایت کوئی بندا نہیں ملتا

دونوں ہیں بجا شاکی، مگر کچھ یہ سوا ہے
مجبور کو مختار سراپا نہیں ملتا

صحرا میں کنول کھل کے یہ کرتا ہے اشارہ
گھر بیٹھنے والوں کو تماشا نہیں ملتا

اپنی بھی کلی کھلنے کو آمادہ ہے پر حیف
اے بادِ سحر تیرا اشارا نہیں ملتا

آخر کو نظر بازوں سے سب کھل گئے پردے
چھپنے کو انھیں اب کوئی پردا نہیں ملتا

خود لیلیٰ محمل ہی میں ہوئی قیس بیاباں
ڈھونڈھتے ہیں کہ محمل لیلا نہیں ملتا

صد طرفہ تماشا نہ دہر تیج ہے ویراں
سنگ تربت کو کوئی تیرا نہیں ملتا

عشق

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اے **عشق**! تیرے ہی دم سے ہماری ابدی حیات وابستہ ہے، اسلیئے ہمیں اپنا ذکر کرنے دے، اور ہمیں اپنے نام پہ مٹنے دے۔ آفتاب کی ضو میں، چراغ کی لو میں، تو رقص کرتا ہے۔ پروانہ کے پر میں بلبل کے سر میں، تری تڑپ نمایاں ہے۔ تیری دوری سے سمندر پٹکتا ہے تیری ہجوری میں دل اٹکتا ہے، ہمکو بھی اپنی چادر میں جگہ دے، اور اپنے نور عالم افروز سے جگمگا دے۔ تیرے طلسماتی حرفوں نے موجودات عالم پر اپنا اسقدر گہرا رنگ چڑھا دیا ہے کہ ہر وجود بجائے خود ایک عاشق یا معشوق ہے۔ کوئی شے ایسی نہیں ہے، جو دوسری کسی چیز کی طالب یا مطلوب نہو بلبل کے گلشن میں، شہید کے مدفن میں، تو سیماب کی طرح جما ہوا بیقراری کی شان دکھاتا ہے۔ موجودات کی خلقت میں کائنات کی فطرت میں تری بیتابی کا سماں نظر آتا ہے کسی نے تجھے فطرت بنایا، کسی نے تجھے مذہب بتایا، بنی آدم نے اپنی بساط کے موجب عقل کے ناخن کے لیئے خواب ہستی کی تعبیریں بتائیں ہستی کی تصویریں کھینچیں کسی نے کچھ جانا کسی نے کچھ سمجھا، صوفیوں نے ایک حد تک تیری کنہ حقیقت میں ہو حق کی آواز بلند کی۔ درویشی لباس پہنکر عشق اللہ فقر اللہ کا سلام ترا شاسنے والوں نے بھی سدا را عشق کہکے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یہ سب کچھ ہوا اگر ابھی بہت کچھ ہوتا ہے، عقل کی کیا مجال جو تیرے

آسگے دم مارے۔ بقول مولانا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ۔ سہ

چو عشق آمد از عقل دیگر مگوئی		کہ در دست چوگاں اسیرست گوئی

ہاں ہاں۔ تیرے ع (عین) سے عین عقل کی نفی مقصود ہے۔ تیرے ش (شین) سے شین شرک کی معدومیت مراد ہے۔ تیرے ق (قاف) سے قاف قالب کی نیستی منصوص ہے۔ تیرا مرتبہ ادن بابرکت لوگوں پر اچھی طرح ظاہر ہو چکا ہے جنھوں نے تیری سرکار سے اپنی خدمات لایقہ کی جلو میں عاشقی کا خلعت فاخرہ زیب تن کیا۔ تیرے ایوان عالی کا پہلا طبقہ شریعت ہے یہ درجہ اوسوقت طے ہوتا ہے جب عاشق جمال محبوب کی صفت گوش زد کرکے وصال محبوب کی آرزو پیدا کرے۔ دوسرا طبقہ طریقت یعنے طلب محبوب ہے اِس درجہ پر وہی قائز ہوتا ہے جو راہ محبوب میں راسخ القدم رہے تیسرا طبقہ حقیقت ہے اس درجہ پر وہی پہنچتا ہے جو حضور محبوب میں رہ کر حسن محبوبی پر پیوستہ نگاہیں ڈالے۔ چوتھا طبقہ معرفت ہے یہ اوسکو میسر ہوتا ہے جو مراد محبوب میں اپنی مراد کو محو و فنا کردے۔ پانچواں طبقہ وحدت ہے جو نہایت ہی اعلیٰ ہے اور اوسیکو حاصل ہوتا ہے جو اپنے وجود فانی کو تمامتر شکستہ و ریختہ کرکے محبوب کو موجود مطلق سمجھے اور دیکھے۔ جہاں اتنی منزلیں طے ہو جاتی ہیں سب کچھ جاتا رہتا ہے معشوق و عشق باقی رہ جاتے ہیں۔ اب کیا ہے۔ عاشق و معشوق دونوں دریائے عشق میں غوطہ زنی کرنے لگے۔ بقول بزرگے، وجود بین العشقین کالطہر بین الدمین یعنے وجود درمیان دو عشقوں کے ایسا ہے جس طرح عورت کی پاکی درمیان دو خونوں کے یعنے اول بھی عشق تھا آخر بھی عشق رہا۔ سہ

زدم بسیر دریا دیدم عجیب تماشا		دریا درون کشتی کشتی درون دریا

چونکہ کوئی وجود عشق سے باہر نہیں ہے نہ بغیر عشق کے قایم رہ سکتا ہے
اول و آخر ظاہر و باطن تحت و فوق پس و پیش عشق ہی عشق ہے بقول ؎

چیست آدم چیست حوا عشق و بس   گرچہ آمد صد ہزاراں پیش و پس

ابھی اس چیستان عشق کا حل باقی ہے سمجھانے والے کی طرح سمجھنے والا بھی عاشق ہو تو کچھ سمجھے۔ عشق حقیقت میں تخم ہے ایک درخت کا اور وہ درخت درخت وجود ہے جس کو عرف میں قالب، جسم، تن وغیرہ بھی کہتے ہیں یہ درخت ظاہر باطن اندر باہر ہر سمت میں پھیلا ہوا ہے چونکہ درخت بغیر بیج یا جڑ کے قایم نہیں رہتا۔ درخت وجود کا بھی چند بیجوں پر قایم ہونا ابدی ہے اوس کی بیجیں عقل، وہم، روح، علم، جان، ہیں، اوسکی ہر بیج کو جداگانہ حقیقت کہتے ہیں، اوسکی ہر ایک بیج سے شاخیں پیدا ہوئیں بیج عقل میں شاخ بینائی لگی، بیج وہم میں شاخ شنوائی پیدا ہوئی، بیج روح میں شاخ بویائی نے نمو پایا، بیج علم سے شاخ گویائی نے سر نکالا بیج جان میں شاخ توانائی نے ظہور کیا بالآخر بڑھتے بڑھتے یہ شاخیں برگ و بار لائیں بینائی سے حرص ظاہر ہوئی شنوائی سے کینہ پیدا ہوا۔ گویائی سے غصہ نکلا بویائی سے حسد نے خروج کیا توانائی سے غرور نے سر اوٹھایا انھیں شاخوں کا نام دل ہے جو مرتبہ ذات میں سب ایک ہیں اور اس سے شریعت عبارت ہے ؎

نہ ہر درون و عقل و دل جملہ یکی است   در معنے راز ریں جائے شکے است

بیج شاخدار اور شاخ بابرگ کی تشریح ہو چکی ہے۔ اب گل بامیوہ اور میوہ باتخم سے بو و مزہ لینا چاہئے اس درخت میں جو پھول لگے ہیں اون کی طرف بھی نظر دوڑاؤ کیسے خوشنما ہیں طاعت۔ زہد۔ قناعت۔ سخاوت۔ اس گلدستہ کا نام طریقت ہے۔ ان پھولوں میں باریک نظر سے دیکھو میوے بھی پنہاں ہیں شفقت محبت

رحمت۔ برکت۔ ان کا مجموعہ یعنے عشق میں ایک ہے اور وہ معرفت ہے
ہر میوہ میں جو تخم ہے اوسکو تخم وحدت بولتے ہیں کیونکہ یہی تخم اول ہے
جسکا نام عشق ہے۔ العشق ہو اللہ۔ کہ اوس سے سب کچھہ ظاہر ہوا۔ بلکہ
وہی ہے جسنے خود کو خود بخود جلوہ گر کیا وہ اسیطرح دائم و قائم ہے۔
جسطرح بیج کے ساتھہ شاخ۔ شاخ کے ساتھہ پہول۔ پہول کے ساتھہ میوہ
اور میوہ کے ساتھہ تخم۔ اب یہہ بہی جاننا چاہیئے کہ اس درخت کی نشو و نما کیونکر
ہوئی۔ حرارت رطوبت برودت یبوست کے عناصر اربعہ نے بلکر اسکی باغبانی
کی بازی و شہوت کی ہواؤں نے جہونکے دیکر اوس میں جنبش پیدا کی خیال
وحال نے اوسکو استوار و مضبوط کیا۔ بیداری و ہوش نے اوسکو حیات
بخشی۔ خواب فراموشی نے موت بنکر اوس کا کام تمام کردیا اوسکی بقا کو
وجہہ اللہ ذات اللہ کہتے ہیں بمصداق ویبقی وجہ ربک ذوالجلال
والاکرام۔ الغرض ؎

معشوق و عشق و عاشق و ہجر کی ہستی تہا
تو خود بخود تجلی ہجراں چہ کار دارد

اے عشق تیرے چمن سے جس نے سنے الفدور خوشہ چینی کی لیکن جو گلہا
سے تیرے عاشقوں کے دامن مالا مال ہیں۔ اون کی خوشبو سے میرا دماغ دید
معطر بنا جن میووں سے تیرے طالبوں کے لب کام آشنا ہوچکے ہیں اونکی
لذت سے میرے کاسہ گدائی کو مشرف فرما۔ بقول ؎

گل پہینکے ہے اوروں کیطرف بلکہ ثمر بہی
اے خانہ برانداز چمن کچہہ تو ادہر بہی

بشیر الدین احمد نقوی حسینی قادری چشتی عفی عنہ داز نظام المشائخ

ایجادِ تہجی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونصلی علی رسولہ الکریم

ایجادِ تہجی کی نسبت مذہب و فلسفہ کا اختلاف

ایجادِ تہجی کے بارے میں علمائے مذہب اور حکمائے فلاسفہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اول الذکر فرقہ کا یہ قول ہے کہ ابتدائے عالم میں جب ابوالبشر آدم علیہ السلام کی روح پُرفتوح یا اُن کی وساطت سے معلومات ہر ایک علم و فن و صنعت و ہنر کا ملہم یا خود الہامِ ربانی کے ذریعے پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح بوقتِ ضرورت کسی مقدس بزرگ کے ذریعے سے ہوتا گیا، ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہیگا۔ چنانچہ تہجی کی ایجاد بھی حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور بعض محققین ... حضرت ادریس علیہ السلام کو ٹھیراتے ہیں۔ یہ فرقہ نصوص ... بشمول اور دیگر آیاتِ مذہبی سے استدلال کرتا ہے۔

دوسرے گروہ یعنی حکمائے فلسفہ کو یہ دعوےٰ ہے کہ ضرورت ایجادوں کی جڑ ہے۔ انسان کو جیسے جیسے حاجت ہوئی، رفعِ حاجت اور ضرورت کے لئے وقتاً فوقتاً ... [illegible] ... ایجاد ہوتا گیا اور ایجاد ... ترمیم و ترقی ... اسی قاعدے سے ... خیالات سے ... مسائل کی ایجاد بھی پہلے ناقص طور

پر ہوئی تھی اور بعدازاں اُن میں اصلاح ہوئی اور ہوتی جاتی ہے۔ یہ گروہ اپنے دعوے کے ثبوت میں، آثار قدیمہ کی بنا پر دلائل بدیہیہ پیش کرتا ہے۔

بنظر غور دیکھا جائے تو صرف اختلاف ہی اختلاف ہے۔ ورنہ اس سے اصل مطلب میں کچھ نقصان عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اختلاف صرف ذرائع تجسس و تلاش میں ہے، اور مراد و مقصد دونوں گروہوں کا ایک ہی ہے۔

علمار مذہب الہامی اور وہبی طریقے سے گویا اصل مقصد و مراد کو پا گئے ہیں، اور حکمائے فلسفہ آثار قدیمہ سے مراد و مطلب کا سُراغ لگانے میں سرگرداں ہیں، میرے نزدیک یہ اختلاف اُسی وقت تک قائم ہے، جبتک کہ فلسفہ کی، بزم راز تک رسائی نہیں ہے۔

ایجادِ تہجی کے اسباب

بالفرض اگر آدمی سے ساری بُری اور بھلی صفتیں اور سب قسم کے قوی الگ کر لئے جائیں، تو خارج میں اسکا وجود سوائے مفہوم محض کے اور کیا باقی رہیگا؟ غالباً اس سوال کا جواب یہی ہوگا کہ "کچھ نہیں"۔ پس انسان گویا جملہ اوصاف حمیدہ و رذیلہ اور قوائے رُوحانی اور دیگر قوائے ظاہری و باطنی کا مجموعہ ہے۔ ان اوصاف و قویٰ میں سے بعض بعض صفتیں اور قوتیں تو خاصکر انسان ہی کو عطا ہوئی ہیں، اور دوسری مخلوقات اُن میں شریک نہیں ہیں مثلاً۔ قوتِ نطق یعنی گویائی اور قوتِ رُوحانی۔ اور بعض بعض اوصاف و قویٰ میں گو دیگر مخلوقات کی بھی شرکت ہے۔ لیکن

انسان کو ان میں نمایاں طور پر امتیاز حاصل ہے:۔ جیسے محبت اولاد، ہوس نام و نمود، دُور بینی، مآل اندیشی اور دیگر قوای عقلیہ وغیرہ وغیرہ۔

خصائلِ انسانی پر بغور لحاظ کرنے سے یہ بات بھی خاصی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ آدمی کی فطرت میں اور دیگر اوصاف حمیدہ کے علاوہ منفصلہ ذیل تین صفتیں بھی بڑی پُرزور اور مؤثر ہیں۔ یعنی:۔

محبتِ اولاد باہمی ہمدردی شوق نام آوری

ان ہی اوصاف کے اقتضا سے انسان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے پسندیدہ خیالات اور برگزیدہ طبعی واردات کو خوب پھیلائے، اور وسعت دے اور اپنے اہم و عمدہ کارناموں کو ہمیشہ کے لئے بطور یادگار قائم اور محفوظ رکھے، تاکہ معاصرین اُس کے سُود مند اور فیض رساں خیالات سے فائدے اُٹھائیں۔ آئندہ نسلیں اُس کے عظیم کارناموں سے اپنی ترقی و بہتری کا سبق حاصل کریں، اور باہمی جلسوں میں اپنے باپ دادوں کے کارہائے نمایاں کو فخریہ بیان کریں۔

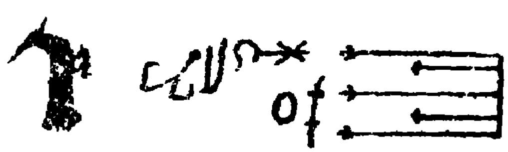
اس دلی خواہش کے پُورا کرنے کی تدبیریں مختلف زمانوں میں مختلف طور پر سوچی گئیں۔ اور اُن میں وقتاً فوقتاً ترقی و ترمیم ہوتی رہی۔ جیسا کہ بیانِ ذیل سے واضح ہے۔

مُدعا گزاری کا ابتدائی ناقص طریقہ

حکمائے محققین نے جو کارخانۂ عالم کو غور کی نگاہ سے دیکھتے اور خاص کر خصائصِ انسانی پر ہمیشہ گہری نظر ڈالتے ہیں، مختلف مُلکوں کے

نہایت قدیم معبدوں، ٹوٹی پھوٹی عمارتوں، مٹی مٹائی سلطنتوں کے ویرانوں اور ویران شدہ شہروں کے کھنڈروں سے بڑی تلاش و تجسس اور بڑی چھان بین کے بعد اس بات کا پتہ لگایا ہے کہ اوائل میں جب انسانی تمدن کا آغاز تھا۔ بڑے بڑے واقعات اور سوانحات کی نامکمل، ناقص اور ادھوری تصویریں، یا کنایہ نما نقوش و علامتیں، پتھر وغیرہ دھات کی پائدار چیزوں پر کھود کر محفوظ کر لی جاتی تھیں، اور اُن یادداشتوں کے صریحی یا کنایتی معنی لگا کر بانیانِ یادگار کے مقاصد اور ارادے کسی طرح معلوم کر لئے جاتے تھے۔ چنانچہ مُلکِ فارس میں بیستون پہاڑ اور تختِ جمشید کی سیڑھیوں پر (جو استخر قدیم دارالسلطنتِ ایران میں شاہنشاہِ جمشید کے وقت کی ایک پُرانی عمارت ہے) اس طرح کی پیکاں نما تصویریں بنی ہوئی ہنوز موجود ہیں۔ 

مصریانِ قدیم اپنے بزرگوں کی لاشوں، بلکہ بلی، خرگوش، مگر، لومڑی وغیرہ، اپنے معبودوں کی لاشوں کو بھی کسی قسم کا مصالحہ لگا کر مندروں میں تبرکاً رکھ چھوڑتے تھے، جن پر کنایہ نما نقوش یا تصویروں میں کچھ یادداشتیں بھی منقش ہوتی تھیں چنانچہ ایک آدمی کی لاش پر مفصلہ ذیل تصویروں اور نقوش میں اُسکا نام منقش تھا۔



عرب، مصر اور امریکہ کے قدیم باشندوں میں حروف تشبیہی رائج تھے یعنی وُہ لوگ حرفوں کی جگہ خاص خاص جانوروں اور اشیاء کی تصویریں

استعمال کرتے تھے۔

عرب میں وادی المکاتیب نام ایک جنگل ہے۔ وہاں ڈیڑھ کوس تک پتھر کی چٹانوں پر حروف تشبیہی یا تصویریں کندہ ہیں۔

حروفِ تہجی کی ایجاد

جب آدمی کی تہذیب اور تمدّن کو روز افزوں ترقی ہوسنے اور اس سبب سے قابل یادگار واقعات کی تعداد بڑھنے لگی، اور تصویروں کے ذریعے سے اُن متعدد واقعات کا محفوظ رکھنا اور ان تصویروں سے بانیان یادگار کے اصلی مطلب کو سمجھنا مشکل بلکہ محال ہوگیا، تو لامحالہ مقصد گزاری کی اور اور ترکیبیں سوچیں جانے لگیں۔ حروف تہجی کی بنیاد بھی سوچ اور فکر معلوم ہوتی ہے۔ مناسب سمجھا گیا کہ ایسے ایسے نقوش و علامتیں ایجاد کی جائیں۔ جن کے وسیلے سے صوتِ لفظی یعنی حرکات زبان یا الفاظ کی پوری پوری تصویریں اُتر آئیں۔ یعنی اُس اُن نقوش یا حروف میں آدمی کی بات چیت جو اُس کے خیالاتِ قلبی کا آئینہ ہے، بجنسہٖ قلمبند ہوسکے۔ اب تمدّنِ انسانی بہت کچھ ترقی کر گیا تھا۔ اور زمین کے کثیر التعداد حصے ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر مختلف قوموں سے آباد ہوگئے تھے۔ یہ قومیں اگرچہ قومی اور ملکی خصوصیات میں باہم مختلف تھیں، مگر باینہمہ محبت اولاد، باہمی ہمدردی، اور شوق نامبری کی فطرتی ارمان میں متحد و مشترک تھیں۔ علاوہ اس کے اوائل میں جو وسائل توضیح خیالات اور القای نام ونمود کے اختیار کیے گئے تھے وہ بھی متحد تھے۔ اس لیے ان ہی اتحاد اور اشتراک کی وجہ سے مقصد گزاری اور مطلب

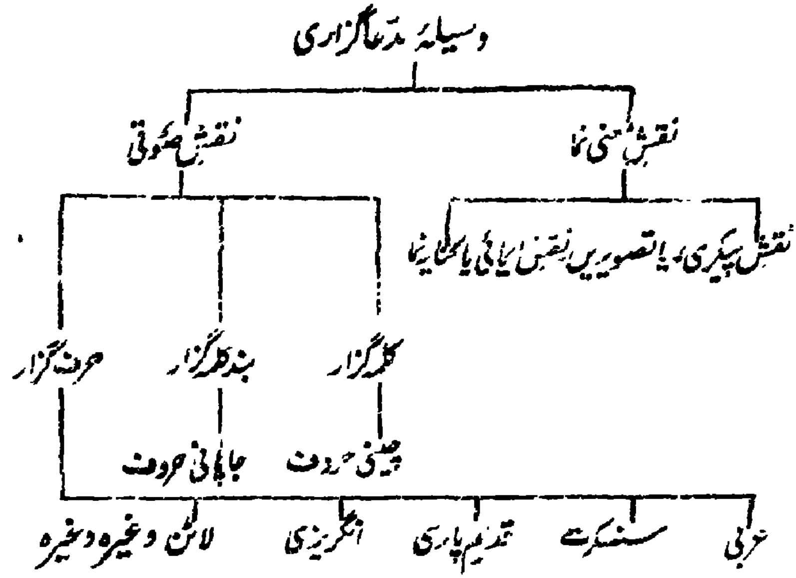
نگاری کے جو ترمیم شدہ اور ترقی یافتہ ذریعے دوبارہ سوچے گئے، اُن میں بھی ایک حد تک مشابہت اور بعض بعض خصوصیات میں مشارکت پائی جاتی ہے، گو اختلافِ سرزمین، اختلافِ آب وہوا، اختلافِ قومیت، اختلافِ خیالات اور اختلافِ زبان کے سبب سے اُن نقوش، علامات یا حروف کی صورتوں میں اور اُن کے تلفظ میں فرق ہے۔

یہ امر قرینِ قیاس ہے کہ سب قومیں حروفِ تہجی کی موجد نہیں ہوئیں، بلکہ بیشتر قوموں نے اس مفید ہنر کو غیر اقوام سے ہی سیکھا، اور حسبِ ضرورت اُس میں کوئی جدت، اضافہ، یا ترمیم و اصلاح کر کے اُن کو اپنے اپنے کام کا بنا لیا۔

اِس صنعت کو دُنیا کی بعض بعض ہُنر مند اور فیاض قوموں کی محنت و دماغ سوزی کی برکت سے حیرت انگیز ترقی نصیب ہوئی، اور برابر ہوتی جاتی ہے، چنانچہ ٹیلیگراف وغیرہ، اِسی ہُنر کی شاخیں، اور اُنھیں خیر مجسم قوموں کے علمی و عملی کرشمے ہیں۔

اَب ایک ایسی کل بھی ایجاد ہوگئی ہے، جس میں انسان کی آواز بجنسہٖ بند کر لی جاتی ہے اور بوقتِ ضرورت قید سے رہائی دیکر اُس سے گذشتہ یادداشتوں کا کام لیا جاتا ہے۔ کیونکہ موجودہ وسائلِ مدعا گزاری میں باوجود ترمیم واصلاح کے چند طرح کی دقتیں ہنوز باقی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک تو یہی ہے کہ انسان کے خیالات کو دماغ سے اُترنے، اور لوازماتِ تحریر کے ذریعے سے اُن کو کاغذی جامہ پہنانے میں بے شک ایک توقف ہوتا ہے، جو بعض موقعوں پر سخت مضرت کا باعث ہوتا ہے؛ علاوہ اس کے کاغذاتِ یادداشت کا مدت مدید تک آفاتِ ناگہانی اور

اور اُن تحریمات کا تحریفاتِ اتّفاقی سے قائم و محفوظ رہنا، اگر محال نہیں تو نہایت مشکل ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں، اس بات کا فیصلہ کرنا نہایت مشکل بلکہ محال ہے کہ کون کون قومیں حروفِ تہجی کی موجد ہوئیں، اور کون کون مقلّد۔ بہرحال اوّل اوّل تین قسم کے حرف ایجاد کئے گئے۔ اور دُنیا کے سب قسم کے حروفِ تہجی اِن ہی تین قسموں میں داخل ہیں۔ پہلی قسم میں وہ حرف شامل ہیں، جنکا ہر ایک حرف پُورے لفظ کے لئے کافی ہوتا ہے مثلاً چینی زبان کے حرف، کہ اس زبان میں ہر ایک لفظ کے لئے جُداگانہ ایک ایک حرف مقرر ہے۔ دُوسری قسم کے وُہ حرف ہیں، جنسے لفظوں کے اجزائے قریب بولے اور لکھے جاتے ہیں، اور اجزائے قریب سے لفظوں کے ایسے ٹکڑے مُراد ہیں، جو زبان کی ایک ہی حرکت سے بولے جاسکیں۔ ایسے اجزائے الفاظ کو انگریزی میں **سِلیبَل** کہتے ہیں اور اُردو میں **بند کلمہ** کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم کے حرف جزائرِ جاپان اور اُس کے آس پاس کے جزیروں میں مروّج ہیں، تیسری قسم میں ایسے ایسے حرف شامل ہیں، جن میں الفاظ کے اجزائے بسیط یعنی ٹکڑوں کے ٹکڑے قلمبند کئے جاتے ہیں۔ یعنی الفاظ کے ٹکڑے سِلیبَل کہلاتے ہیں۔ اور سِلیبَلوں کے ٹکڑے تیسری قسم کے حرف۔ اِس قسم میں عربی، سنسکرت، انگریزی، وغیرہ وغیرہ ایشیا اور یورپ کی قریب قریب کُل تہجیاں شامل ہیں۔ شجرۂ ذیل سے اوپر لکھی ہوئی باتیں زیادہ تر قریب الفہم ہو جائیں گی ✣



میرا خیال ہے کہ مذکورۂ بالا تینوں قسم کے حروف ذیل کی ایک فرضی مثال سے بآسانی سمجھ میں آجائینگے۔

گیا۔ وقت۔ پھر۔ ہاتھ۔ آتا۔ نہیں

اس مصرعہ میں چھ لفظ ہیں، جو الگ الگ لکھے گئے ہیں اور چھوٹوں پر ہندسے بھی دیئے ہوئے ہیں۔ پس اول قسم کے چھ ہی حرف اس مصرعہ کی پوری تحریر کے لئے کافی ہونگے۔ دوسری قسم میں الفاظ مصرعہ کے اجزائے قریب کے لکھنے کے لیئے چھ سے زیادہ حرف درکار ہونگے اور اُنکے ٹکڑے حسب ذیل ہوجائینگے۔

گ۔ یا۔ وقت۔ پھ۔ ر۔ ہا۔ تھ۔ آ۔ تا۔ نہ۔ ہیں

دیکھو! دوسری قسم کی تحریر میں چھ لفظوں سے گیارہ ٹکڑے ہوگئے ہیں اور گیارہ ہی حرف اس کی تحریر کے لیئے درکار ہونگے۔

یہاں تیسری قسم کے حروف ہیں اس مصرعہ کے اجزا بہت بڑھ جائینگے اسلئے ہر سلیبل کے ٹکڑوں کے لئے جُداگانہ حرفوں کی ضرورت ہوگی جو نیچے لکھے جاتے ہیں۔

گ۔ یہ۔ آ۔ و۔ ق۔ ت۔ پھ۔ ر۔ ہ۔ ا۔ کھ۔ اتھ۔ ا۔ ت۔ سیہ

یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ ابتدا میں ہر لفظ کے لئے جدا جدا۔ پھر ہر ایک بند کلمہ یعنی سلیبل کے لئے الگ الگ۔ اور اخیر میں بند کلمہ کے ٹکڑوں کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ حروف ایجاد کیے گئے۔

چونکہ چینیوں کو غیر اقوام سے ہمیشہ سے نفرت رہی اسلئے باوجود فطرتی دانشمندی اور ذہانت کے وہ اس ہنر میں کچھ ترمیم و ترقی نہ کر سکے اور اُن کے حروف تہجی پہلی ہی حالت میں غیر متبدل ہیں۔

جاپانیوں نے کچھ آگے قدم بڑھایا، اور ہمسایہ قوموں کی پیروی سے مستفید ہو کر اپنے وسیلہ مطلب گزاری کو ایک حد تک وسعت دی۔ لیکن یورپ اور ایشیا کی دیگر قوموں نے باہمی میل جول سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی تہجیوں کو بہت کچھ سہل کر دیا۔ اور خاطر خواہ ترقی دی۔

چینی حروف بہت مشکل ہیں

[illegible] میں یہ خیال ہوتا ہے کہ چینی تہجی آسان اور مختصر ہوگی کیونکہ اُن کا [illegible] ایک حرف ایک ایک لفظ کے لئے کافی ہے، لیکن تھوڑے ہی [illegible] یہ خیال ہوا ہو جاتا ہے، اور طرح طرح کی مشکلات پیش نظر ہو جاتی [illegible]

[illegible] اور زبانوں کی طرح چینی زبان میں [illegible]

بہت سے نئے نئے لفظ داخل ہوتے جاتے ہونگے۔ پس اُن پرانوں
اور نئے لفظوں کے لیے موجودہ کثیر التعداد حرفوں کے سوا بہت سے
نئے نئے حروف ایجاد کرنے پڑتے ہونگے۔ چنانچہ ایک صاحب لکھتے
ہیں کہ چینی حرفوں کی تعداد ستر یا اسی ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ یہ تو تعدادی
مشکلات ہیں۔ تحریری دشواریوں کا یہ عالم ہے کہ اکثر حرفوں کے لکھنے
میں مصوری سے کم دیدہ ریزی نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہی صاحب تحریر فرماتے
ہیں کہ بعض حرفوں کی لکھاوٹ میں ساٹھ ساٹھ ستر ستر کششیں قلم کی صرف
ہوتی ہیں۔

جب ان تحریری اور شماری دشواریوں کو خیال کیا جاتا ہے، تو طبیعت
کو وحشت اور تحیر کی پریشانی ہوتی ہے۔ اور چینیوں کی بے پروائی اور
غفلت پر افسوس آتا ہے کہ انھوں نے باوجود علم و دانشمندی کے
اس خصوص میں کوئی ترقی نہ کی۔ غالباً طلبہ کی عمر کا بہت بڑا حصہ اسی ابتدائی
تعلیم یعنی ہجی آموزی اور املا نویسی ہی میں صرف ہو جاتا ہوگا۔ جو بیزبان
بچوں کے لئے بڑے افسوس کی بات ہے، کیونکہ اس قسم کی ابتدائی تعلیم
اور راہ ضروری و مفید علوم و فنون کی تحصیل کا ذریعہ ہوتی ہے۔ پس اس
تعلیم کو ایسا آسان و سہل ہونا چاہیئے کہ طلبہ کو اس میں جلد تر مہارت پیدا
کرکے دوسرے دوسرے مفید اور بکار آمد علموں میں لیاقت اور کامیابی حاصل
کرنے کا کافی وقت اور موقع مل سکے۔

دیکھو! معراجِ کمال کو پہنچی ہوئی قوموں نے اپنا طرز تحریر [illegible]
سہل آسان کر رکھا ہے کہ ہر ایک صاحب ذوق سلیم [illegible]
[illegible] کی زبان اور لوازمات زبان سے [illegible]

نہیں پڑتی۔ اُن کی فیاضی، اُن کی کشادہ دلی، اُن کی خندہ پیشانی، اُن کی دل نشینی اور ان کی انسانی ہمدردی۔ انھیں اجازت نہیں دیتی کہ ظلم و جبر سے [illegible] نکتے جو ان کی دماغ سوزیوں اور جانکاہیوں اور دل گدازیوں کے نتیجے ہوتے ہیں، انھیں تک یا اُن کی قوم ہی تک محدود رہیں اور غیر قوموں کو اُن سے مستفیض ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ وہ بدل چاہتے ہیں کہ سارے ابنائے جنس اُن کی جدت پسندی اور معنی آفرینی سے فیض پائیں۔

یورپ میں مختصر نویسی کے ذریعے سے ممبران پارلیمنٹ کی مطول اکثر دلچسپ اسپیچوں کو بحث کرنیوالوں اور لیکچراروں کی زبان سے نکلتے ہی قلمبند کر لیا جاتا ہے۔ اور رات ہی کے وقت اخباروں میں چھپوا دیا جاتا ہے۔ اس آسان ترکیب سے ناظرین اخبارات کو رات کی تقریریں صبح کے اخبار سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم یعنی جو پتی حرفوں کی قسم سے میری واقفیت تیاری رائے زنی کے لئے ابھی کافی نہیں ہے۔ اب ہندوستان و جاپان سے راہ و رسم پیدا ہونے لگی ہے۔ اس سے امید پڑتی ہے کہ اب جاپانی زبان اور اُس کے حروف تہجی سے زیادہ تر واقفیت پیدا کرنے کا موقع حاصل ہوگا۔ وہ ایک نوجوان وہاں سے تعلیم پاکر بھی آگئے ہیں۔

تیسری قسم میں ایشیا اور یورپ کے قریب قریب سب کے حروف تہجی داخل ہیں اور اسی قسم میں ہماری اردو تہجی بھی شامل ہے جیسا کہ [illegible] تو اردو تہجی کا مفصل بیان آئندہ کیا جائے گا۔

دُنیا کی زبانوں کی اصلیت

جو کہ محققان علم السان و الالسنہ [illegible]

بعد کل اقوام دُنیا اور اُنکی مختلف زبانوں کی اصلیت صرف دو ماخذوں کو قرار دیا ہے۔ اوّل سمیا طیقی اور دوئم آریوی اور کہتے ہیں کہ دُنیا کی ساری قومیں اور اُن کی مختلف زبانیں اِن ہی دو بڑے خاندانوں کی اولاد اور اولادوں کی اولاد ہیں۔ چنانچہ سمیا طیقی خاندان سے چھ زبانیں پیدا ہوئیں یعنی عربی، عبرانی، سُریانی، اسیری، کلدی، فنیشی۔ اِن میں سے عربی زبان بڑی کثیر الاولاد ہوئی، اور اس کو اپنی عبرانی بہن سے ساتھ اکثر خط و خال میں بہت مشابہت ہے۔ جو نسبت عربی کو سمیا طیقی کے ساتھ ہے، بجنسہ وہی نسبت سنسکرت کو آریوی سے ساتھ ہے سنسکرت بھی دُنیا کی متعدد زبانوں کی اور ہندوستان کی قریب سب زبانوں کی ماں مانی گئی ہے۔ ہماری اُردو زبان کو عربی اور سنسکرت دو نوں زبانوں سے تعلق ہے۔ اوّل الذکر سے بیشتر، اور آخر الذکر سے کمتر۔ بیشتر اس لیے کہ عربی الفاظ کثرت سے اُردو میں آتے ہیں اور اُسکا نوشتخواند بھی عربی حرفوں ہی میں ہوتا ہے، اور کمتر اسواسطے کہ اُردو میں سنسکرت کے شبد بہت تھوڑے آتے ہیں اور اُردو کو سنسکرت برن مالا سے کوئی تعلق نہیں ؛

راقم جویندۂ حقیقت۔

خواجہ حالی علیہ الرحمۃ کا پرسا اور باہمی تعلقات کا قابل ذکر تذکرہ

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

تاریخ اسلام سے **دل** مولانا **شبلی** کو روئے ہوئے ۳ ماہ ہی مہینے سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ کہ ہمارے سعدی ہند اردو زبان اور علم اخلاق کے **جگر** مولانا خواجہ **حالی** علیہ الرحمۃ کا پیٹنا پڑگیا وہ ۱۸؍ اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء یوم یکشنبہ کو پیش خیمہ بنکر جنت کو سدھارے تو یہ ۳۱؍ دسمبر سنہ مذکور روز پنجشنبہ کو داخل خلد بریں ہوئے۔

منہ اٹھاکر یہ کہدینا کہ **آفتاب و مہتاب** ہند۔ دنیا سے اٹھ گئے۔ اسلامی آسمان کے سب سے بڑے تارے بچھڑ گئے۔ دائمی کسوف وخسوف نے انھیں ہمیشہ کو دنیا سے چھپادیا۔ سرتاسر ہماری غلط فہمی اور پست خیالی ہے۔ کیونکہ ان واجب التعظیم بزرگواروں کی تصانیف نے تاقیامت زندہ رکھنے کا پٹہ لکھدیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم انکی صورتوں کو ترسینگے۔ بلا واسطہ عذب البیانی کو بھٹکینگے۔ قوم کے ایک ایک گلی کوچہ میں گھر بہ گھر ڈھونڈتے پھرینگے۔ مگر یہ نورانی صورتیں اپنا مبارک چہرہ ہمارے سامنے نہ آنے دینگے۔ زیارت کو مضطرب۔ دیدار کو بیقرار رہینگے۔ اگر مزار مبارک پر جائینگے تو وہاں بھی خاک کے ڈھیر سے

آنکھ نہ پاسینگے۔ نوشتہ اُنھیں ہنسائیں گے۔ دل ٹھنڈا کرنا چاہینگے تو وہ بھی دلکو ٹھکانے نہیں لگا بیگا۔ نہ منھ سے بولیگا نہ سر سے کھیلیگا۔ ہیچ داغ دکھا کر عالم خموشی کا نقشہ جما دیگا۔

دراصل ہم اِن افسوس خبر سے کو نہیں روتے۔ قوم کی بد اقبالی۔ قوم کے ادبار۔ اُسکی ناپرسان حالی کو روتے ہیں۔ اُردو زبان کے دو پیغمبر پیدا ہوئے اور دونوں کے دونوں ایک ہی سال کے اندر اُٹھ گئے قوم کی حالت پر روتے ہوئے گئے مگر آیندہ ہدایت کے واسطے بہتیرے صحیفے چھوڑ گئے۔

حضرت شبلی نعمانی کی نسبت ہمنے جو کچھ لکھا وہ اخباروں[1] اور رسالوں میں چھپ گیا مگر خواجہ **حالی** کے واسطے ابھی تک دل قابو میں نہ تھا کہ چار آنسو بہاکر آتش فراق کو بجھائیں۔ اس دلی صدمہ کو بٹائیں قلم سے جب ہی کچھ نکلتا ہے کہ پہلے دل سے اُسکا دھواں اُٹھکر زبان پر اور زبان سے بوسیلۂ قلم قرطاس پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

آج بیٹھے بیٹھے۔ خواجہ صاحب کی دلی ہمدردیاں۔ ذاتی مہربانیاں۔ فیض صحبت کی نشانیاں۔ مسکراتے ہوئے ہونٹوں کی خوش کلامیاں منکسرانہ فروتنیاں۔ خاص خاص دردمندیاں اُبھر آئیں۔ اِس احسان فراموشی نے دل میں زور زور سے چٹکیاں بھریں۔ اُسے مسوسا اور کچھ نہ کچھ لکھوا کر ہی چھوڑا۔ گو میں **فرہنگ آصفیہ** کے دیباچہ میں جہاں ہندی الفاظ کی خوبی اور اُنکے زندہ اثر کے متعلق بحث آپڑی ہے لکھ چکا ہوں کہ ہمارے ہمخیال ہم عمل یعنی زمانہ موجودہ میں ایک سچا حال کھیلنے والے **حالی** تذکرۃ الحالی نے ہندی کے میٹھے میٹھے رس بھرے بچھڑوں کی داد دی اور

---

[1] دیکھو [illegible]

اپنے نگار خانہ میں تصویر اُتار کر سنا دی تھی جس سے اُنکی اپنی زبان ایک صاحب نا تیر زبان بنگئی۔ پتھر کے کلیجے والے موم دل ہو کر حال کھینے لگے شگفتہ دل ساری سینہ آب کی طرح لوٹنے لگے۔ **بیوہ کی مناجات** نے سہاگنوں کے دلوں میں یہ ارمان پیدا کر دیا کہ کاش ہم بھی انھیں دکھیاریوں میں شریک ہو کر ایسے نرم نرم، رقت انگیز، درد بھرے الفاظ کے مستحق ہوتے **شکوۂ ہند** نے سرزمین ہند کی بے وفائی کا گہرا صدمہ دیا۔ لیکن صبر نے دل تھام لیا۔ ہمت نے ہاتھ پکڑ لیا۔ سلسلے نے اپنے **دیوان** کا دیباچہ بھی دو لکھا کہ اپنی تحقیق سے قلم توڑ دیئے۔ جس ذکر کی طرف قلم اُٹھایا اُس میں نئی روح پھونک دی **مد و جزر اسلام** نے اُترے ہوئے سمندر کو چڑھا دیا۔ باسی کڑھی میں وہ اُبال آیا کہ سوتوں کو چونکا دیا۔

خواجہ حالی کی بہت سی تصنیف ہماری نظر سے گذری ہے۔ سب سے پہلے **مجالس النساء** پر نظر پڑی تھی جس میں عورتوں کے توہمات۔ اُنکے جاہلانہ خیالات کو شربت اصلاح کے میٹھے میٹھے گھونٹ پلا کر شیشے میں اُتارا تھا لیکن **مسدس حالی** نے تو غضب ہی ڈھا دیا۔ پہلے تو بزرگانِ اسلام۔ شاہانِ غیور کے تاریخی واقعات۔ اخلاقی اوصاف دکھا کر ہمیں آسمان پر چڑھا دیا اپنے آبا و اجداد پر گھمنڈ کرنے کا نسخہ بتا دیا۔ مگر ساتھ ہی دلوں پر ایک ایسا دھوکا لگایا اور وہ کوڑا پھٹکارا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ سسکیوں کا تار بندھ گیا۔ آنسوؤں کی جھڑی نے ساون بھادوں کا رنگ جما دیا۔ زار و قطار رونے کو یار بنایا۔ غبار دل کا دل بادل پھٹ پڑا۔ ایسی غیرت و شرم دلائی کہ اپنے گریبان میں آپ منہ ڈالنا پڑا۔ زمانہ جاہلیت اور موجودہ حالت کا وہ نقشہ کھینچا کہ پیر و شاہد روحی فداک حضرت رسالت مآب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم کی ولادت باسعادت سے وقت وفات تک کے واقعات جن میں امت کی نجات کے واسطے اخیر دم تک بتکلے دورتی الم نشرح کر دئے۔ ذکر توحید سے اُس یگانۂ آفاق کی یکتائی ثابت کر دکھائی۔

اعرابیوں کی بیدردی کو ہمدردی سے بدل دیا۔ خالفتوں کا حال تمال آئینہ کردیا۔ جب دیکھا کہ ہم سب روپیٹ چکے اور ہمارے دلوں میں حمیتِ اسلام نے کچھ اپنا گھر کر لیا تو جس اُمید پر دُنیا قائم ہے اُسکا رستہ دکھا کر حصولِ اقبال کی چوٹی قوم کے ہاتھ میں دیدی۔ کاہلی کی چھپلپائی کو چٹیا پکڑ کر نکال دیا۔ تعلیم کے بھگوڑوں کو ایک دفعہ ہی علم پرست۔ علم دوست۔ متفقہ کوشش کا ثمردار درخت لگا دیا۔ اول اول نیچرل شاعری کی نُبیا ڈالی۔ پھر قومی مرثیہ خوانی کا وظیفہ اختیار کیا۔ زوال رسیدہ کمال کو معراجِ ترقی کا رستہ بتا کر از سرِ نو عروج کا منتر سکھا دیا۔

اُردو زبان کے مُردے کو جلایا۔ جس برج بھاکا کے الفاظ کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اُنکا مِنتر بتا کر مخالفوں کو موافق کر دکھایا۔ حضرت عیسےٰ نے اُن مُردوں کو زندہ کیا تھا جن سے آگے کچھ کام نہ چلا۔ حالی نے اپنی مسیحائی سے **سعدی** علیہ الرحمۃ کو **سرسید** کو حضرت **غالب** کو ایسا زندہ کیا کہ وہ اور اُنکے کارنامے ہر وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ گویا اُن سبکو زندۂ جاوید بنا دیا۔

خواجہ حالی کے دل میں ایک درد تھا اور درد میں ایک تڑپ تھی جو اُنھیں کسی کا دکھ درد سُننتے ہی تڑپا دیتی تھی۔ آہ سرد سے بھی یہ آگ نہیں بُجھتی تھی فروری سنہ ۱۹۱۲ء کا ذکر ہے کہ میرے گھر میں آدھی رات کو آگ لگی جب آدھا گھر جل گیا اور آگ قابو سے باہر نکل گئی تو اس وقت دُھر اندر کے سوتے والوں کو

معمول سے زیادہ گرمی محسوس ہوئی۔ آنکھ کھولکر جو دیکھا تو سارا گھر آتشکدہ بنا ہوا ہے۔ دیوار توڑکر بال بچوں کو نکالا۔ مگر پھر بھی ایک معصوم بچی کی جان جاکر رہی۔ تمام اثاث البیت۔ تمام کتب خانہ۔ تمام غیر مطبوعہ مسودے فرہنگ آصفیہ کی تین ہزار مطبوعہ جلدیں جلکر خاکستر ہوگئیں۔ چوتھی جلد کی مقابلہ شدہ کاپیاں بھی نہ بچیں سبکی سب چُرمُر ہوکر رہگئیں۔ رہنے کو مکان رہا نہ بیٹھنے کو بیٹھک تن ڈھانکنے کو کپڑے اوڑھنے کو لحاف تک نہ بچا۔ رشتہ دار کے گھر جاکر پڑے۔ جبتک کپڑے نہ سلے گھر سے باہر نکلنا بند کردیا۔ زیور گیا پاتا۔ ظروف مسی و چینی یہانتک کہ پنجے کے کبوتر بھی جل بھنکر کباب ہو گئے۔ میں نے خواجہ حالی کو کچھ نہ لکھا۔ مگر اُنھوں نے اپنے ایک دوست سے خبر پاکر جو ارقام فرمایا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کیسا درد ٹپکتا کیسا دلگداز سماں بندھتا ہے اور پھر ڈھارس بھی کس مزے سے بندھاتے ہیں کہ وہ سارا صدمہ اور سارا غم غلط ہوکر صبر سا آجاتا ہے۔ چنانچہ اسجگہ اُسکی نقل خالی از لطف نہیں وھوھذا۔

پانی پت۔ ۲۷ فروری ۱۹۱۲ء

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم۔ تسلیم۔ اسوقت آپکا کارڈ موسومہ مولوی سید عبدالعلی صاحب کے کارڈ کے جواب میں میری نظر سے گذرا۔ اُسے پڑھکر جو کیفیت دلپر گذری ہے۔ اُسکے ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ مجھے کارڈ اول سے آخر تک پڑھنا مشکل ہوگیا۔ لیکن الحمدللہ کہ آپکے صبر و استقلال میں کچھ تزلزل واقع نہیں ہوا۔ آپکے اسی حادثہ کے قریب قریب انگلستان کے ایک مشہور مصنف ڈاکٹر لین پر۔ جو آپ ہی کی طرح ڈکشنری نویسی

یعنی عربی کی مبسوط ڈکشنری مدالقاموس کا جامع تھا۔ یہی آتشزدگی کا واقعہ گذرا تھا۔ اسکی تقریباً بیس برس کی محنت دم کے دم میں برباد ہوگئی تھی اور کتاب کے شائع ہونے سے پہلے تمام مطبوعہ اور زیر طبع کتابیں جلکر خاکستر ہوگئی تھیں۔ مگر واہ رے استقلال کہ اسکی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ نئے سرے سے پھر مسودہ تیار کیا جو آخر کو دس یا پندرہ ضخیم جلدوں میں چھپکر شائع ہوا ہے اگرچہ وہ حادثہ آپکے حادثہ سے بہت بڑا تھا مگر اس لحاظ سے کہ آپ کی دوست کی نو دس برس کی لڑکی اس حادثے میں ضایع ہوگئی یہ حادثہ بھی اُس سے کچھ کم نہیں ہے۔ یقین ہے کہ آپ اپنے استقلال پر بدستور قایم رہینگے۔ اور مصنف مدالقاموس کی ایک دوسری نظیر ہندوستان میں قایم کرینگے اُمید ہے کہ آپ مزید تفصیل سے خاکسار کو بھی مطلع فرمائینگے۔ زیادہ نیاز

خاکسار الطاف حسین حالی

درحقیقت خواجہ صاحب نے خاکساری۔ انکساری۔ فروتنی کو اپنا عملی اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ آپکی فرشتہ صفت۔ رحیمانہ طبیعت پر ہر شخص کے صدمے کا بہت جلد اور بڑا اثر ہوتا تھا۔ لوگوں نے مسدس کے جواب میں مسدس لکھکر مُنہ چڑایا۔ مگر آپ کی تیوری پر ذرا بل نہ آیا۔ ہنسنے اور یہ سنکر فرمایا کہ جو کچھ فرماتے ہیں اس سے اپنا جی تو خوش کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسے لوگوں کے خوش کرنے کو اور کیا رکھا تھا۔ جس سے ہم یہ ثواب حاصل کرتے اِن باتوں سے ہمارا دل دکھتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است

نیک دل اور صالح بھی اپنے صالح کر بہتیرے طرح انہیں دیکھ دیکھ کر جوانانِ صالح بن گئے۔ ہر شخص کی بھلائی اور بہبودی کے واسطے قلم اُٹھا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ میری اسی آتشزدگی کے متعلق اپنے گہرے اور جگری دوست جناب نواب عماد الملک بہادر بالقابہ کو لکھتے ہیں:۔

پانی پت ضلع کرنال ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء۔

والا جناب۔ التسلیم ادب بالتقدیم۔ تمہیدات لاطائل کو چھوڑ کر اصل مطلب عرض کرتا ہوں۔ مولوی سیّد احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ کی تباہی و بربادی کا حال غالباً اُن کی اور اخبارات کی تحریر سے جناب کو معلوم ہوا ہو گا۔ اُنکے گھر میں آگ لگنے کا حادثہ بلا تصنع اِس شعر کا مصداق ہے۔ ؎

دِل میں شوقِ وصلِ یادِ دوست تک باقی نہیں
آگ اِس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

جو درخواست اُنہوں نے بامید اعانت و ترحم پیشکار عالی میں گذرانی ہے۔ اُمید ہے کہ وہ جناب کی نظر سے بھی گذری ہوگی۔ چونکہ سرکارِ عالی میں اُنکی تقریب کرنے والے اور اُنکی تالیف کو فروغ دینے والے آپ ہی کے معزز خاندان کے ایک رُکن رکین تھے۔ اسلئے اُنکو جناب کی دستگیری و بذلِ توجہات کی بہت کچھ اُمید ہے۔ آتشزدگی کے صدمے نے اُنھیں بے دست و پا کر دیا۔ نہ فرہنگ کی کوئی جلد باقی رہی جسے فروخت کرکے وہ اپنا معمولی گذارہ کریں۔ اور نہ اِسقدر سرمایہ کہ فرہنگ کو از سرِ نو چھپوائیں۔ اِس سے زیادہ عرض کرنے

کی ضرورت نہیں ہے کہ **خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند** اُمید ہے کہ جناب با ہمہ وجوہ خیریت سے ہونگے فقط

خاکسار حالی

گو دیکھنے میں سیدھے سادے۔ باتوں میں بھولے بھالے ہر دلعزیز اور جگت پیارے تھے۔ مگر روشن دماغی میں بھی عرش کے تارے تھے۔ صاف گوئی کا یہ عالم تھا کہ فرہنگ آصفیہ پر آزادانہ ریمارک[1] لکھکر ہمارے حریفونکو اپنا مخالف بنا لیا۔ اہلِ مشرق کی حاسدانہ چوٹوں اور خود غرضانہ باتوں کی ذرا پروا نہ کی۔ جو کچھ لکھا حق لکھا۔ مؤلف کی خداداد تحقیق اُس کے قومی زبان میں انہماک کی ہمت بڑھا کر اُس سے زبانِ اردو کے متعلق بہت سے کام لیئے۔

استغنا اور قدر دانی کی یہ کیفیت تھی کہ کسی مصنف کی کتاب بلا قیمت لینا گویا اُس پر انتہا درجہ ظلم و ستم کرنا سمجھتے تھے چنانچہ میرے ساتھ بھی بارہا یہی کیفیت گذری۔ ہر چند بطریق ہدیہ کوئی کتاب دینی چاہی مگر اس خدا کے بندے نے بلا قیمت نہ لینی تھی نہ لی۔ اور فرمایا کہ بھائی جیسی محنت سے کوئی کتاب لکھتا اور اُسکے اخراجات برداشت کرتا ہے اس کی حقیقت کوئی میرے دل سے پوچھے۔ میں امیر نہیں ہوں کہ یہ نذرانہ لیکر گرہ سے کوڑی نہ نکالوں اور واہ واہ کرکے زبانی جمع خرچ کر دوں۔ جسے تم باعثِ فخر سمجھو۔

جسوقت آپ پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو کی نائب مترجمی چھوڑ کر مسدس لکھنے کے واسطے دہلی چلے آئے تو ایک روز مولوی مرزا اشرف بیگ

---

[1] یہ ہمارے یعنی تقریظ فرہنگ آصفیہ اسکی جلد چہارم کے اخیر میں چھپ گئی ہے

خاں صاحب مرحوم سے کہکر مجھے بُلوایا اور ترجمہ دربار قیصری میں سے
لارڈ لٹن کی اسپیچ کے چند فقرے دیکر فرمایا کہ ذرا ان فقروں کو سلجھا کر
عام فہم اور چھوٹے چھوٹے فقرے بنا دو یعنی ٹھیٹ اردو زبان میں
لکھ دو۔ چنانچہ میں نے اپنی زبان کے موافق اُنھیں لکھ دیا۔ چند روز کے
بعد معلوم ہوا کہ آپ نے امتحان لیکر اپنی اسامی پر میرے لئے سفارش کی ہے
رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب کیوریٹر گورنمنٹ بک ڈپو پنجاب کا
ایکدفعہ ہی محبت آمیز دالانامہ آن کو دا۔ کہ اب دلی کی محبت چھوڑیے
اور لاہور کی سیر فرمائیے۔ چونکہ آپ فیلن ڈکشنری کے کام سے اب فارغ
ہوگئے ہیں۔ ذرا تامل نہ کیجئے **کرنل ہالرائڈ صاحب** بہادر ڈائرکٹر
سررشتہ تعلیم پنجاب نے تمہیں تعلیمی کتابوں کے انگریزی ترجمے کی اُردو
عبارت درست کرنے کے واسطے ماسٹر چندولال صاحب انگریزی
مترجم کا نائب مقرر فرمایا ہے اور یہ قاعدہ جاری کیا ہے کہ جو شخص انگریزی
نہ جانتا ہو وُہی اس ترجمے کو اپنی بول چال کے موافق درست کر دیا کرے۔
یہ ۱۸۷۸ء کے آغاز کا ذکر ہے اور اسوقت میں فیلن صاحب کی ہندوستانی
انگلش ڈکشنری ختم کرکے اُسکا تحریری شکریہ حاصل کر چکا ہوں۔ میں نے
غنیمت سمجھکر جھٹ وہاں کی ملازمت منظور کر لی۔ ہنوز دہلی سے روانہ نہیں
ہوا تھا کہ خواجہ حالی کو ریاست الور نے مہاراؤ راجہ منگل سنگھ صاحب کا
سفرنامہ لکھدینے کی غرض سے طلب فرمایا۔ چونکہ حضرت ان دنوں مسدس
کی تیاری میں مشغول تھے اور اسی وجہ سے لاہور کی ملازمت سے قطع تعلق
کرکے دہلی چلے آئے تھے اپنی مجبوری جتاکر صاف انکار کر دیا۔ اور ساتھ
ہی میرا بھی ذکر چھیڑ دیا۔ اس وقت لالہ سری رام صاحب ایم اے **دیوان ریاست**

تھے۔ جن کی خدمت میں مجھے بھی نیاز حاصل تھا۔ میں لاہور جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ دفعۃً دیوان صاحب کا والا نامہ آیا جس میں لکھا تھا کہ آپ مہاراج کا سفرنامہ لکھنے یہاں آ جائیں بیش قرار تنخواہ کے علاوہ خاتمہ پر انعام بالفعل رسد۔ سواری۔ مکان۔ خدمتی۔ وغیرہ کا انتظام بھی کر دیا ہے عجب نہیں جو اختتام کے موقع پر تحصیلداری مل جائے۔ اگرچہ میرے منہ میں پانی بھر آیا مگر میں نے سرکاری ملازمت کو ترجیح دی اور اپنے ملازم ہو جانے کا عذر پیش کر دیا۔ اُنھوں نے مہاراج کی طرف سے ڈائرکٹر صاحب بہادر کو لکھکر اوّل دو ماہ پھر چار ماہ کی اجازت دلوا دی۔ اِس عرصے میں مولوی سیف الحق صاحب ادیب میری جگہ کام کرتے رہے۔ یہ سفرنامہ ۱۸۸۰ء سے اخبارات مثلاً اخبار انجمن پنجاب۔ کوہ نور لاہور۔ اکمل الاخبار دہلی۔ اودھ پنچ لکھنؤ وغیرہ میں برابر چھپتا رہا۔ ہر موقع کا سماں دیکھکر لوگ راجہ صاحب کی محققانہ و فلسفانہ تحریر کو دیکھکر نظر غائر نہایت تعریف کرتے تھے۔ میں سفرنامہ پورا کر کے لاہور چلا گیا اور اپنے کام کا چارج لے ۱۸۸۰ء کے اخیر میں لاہور جا رہا۔

ایک میرے ساتھ کیا خواجہ حالی کا ہر ایک ادنے و اعلےٰ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ تھا ظرافت پسند تھے مگر متانت کے ساتھ۔ درد کے پتلے تھے مگر ذرا ضبط کے ساتھ گو حافظ تھے مگر اب حافظ کے شاکی بنگئے تھے۔ خدا رہتی دُنیا تک سلامت رکھے **دولت آصفیہ** اور اُس کے فیاض و دریا دل بادشاہ کو۔ خواجہ حالی بھی ہماری طرح اِس ریاست کے وظیفہ خوار تھے۔ دعاگوئی۔ صداقت سے بھری ہوئی تعریف اُنکا وظیفہ تھا جب کبھی اثنائے گفتگو میں ذکر آجاتا۔ ہزاروں دعائیں دیتے۔

مرنے سے کوئی دو یا تین مہینے پیشتر دہلی میں تشریف لائے منشی کرم عمر خانصاحب کے دکان پر فروکش ہوئے اِس وقت دہلی میں تشریف لانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ منشی **محمد دین** صاحب سرتاج خوشنویسان ہند کے خط اور اُنکی اغلاط سے پاک کتابت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ منشی محمد دین درحقیقت ایک نستعلیق اور زود فہم آدمی ہیں۔ دیوان کا جدید اڈیشن لکھوا چکے تھے مگر سابقہ کلام و دیگر مضامین کا بھی جلد چھپوا دینا منظور خاطر تھا۔ گویا موت کی خبر لگا چکے تھے۔ اسی وجہ سے اپنے معتقدوں کو اِس نعمت سے محفوظ رکھنا مناسب نہ جانا۔ میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا اپنی ایک عینک جو اُنھیں بہت پسند تھی اُسکی ایک خوشوضع جوڑی ٹوٹ جانے سے باعث مکدر رہتے تھے۔ پانی پت میں کوئی درست نہ کرسکا۔ مجھسے ارشاد ہوا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو میل میں میل ملاکر بہت جلد تیار کردے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے واقفکاروں میں ایک ایسا کاریگر ہے جو اسکا بخوبی تال میل ملادے گا۔ چنانچہ میں وہ عینک لیگیا اور دو تین گھنٹے کے عرصے میں تیار کراکر اُنکے پاس بھیج دی اِس سے بہت ہی خوش ہوئے اور اسقدر احسان مانا کہ جیسے کوئی بہت ہی بڑے کام کا شکرگزار ہوتا ہے۔ اُنکی عادت تھی کہ اوّل تو کسی سے اپنا کام ہی نہیں لیتے تھے بلکہ خود اُسکا کام کردیتے تھے اور اگر کبھی کسی نے ذرا سا کام بھی کردیا تو اُسکا نہایت ہی احسان مانا۔ اور تو اور اگر کوئی بُرائی کرتا تو اُسکا بھی احسان مانتے اور فرماتے ؎

اُتارا تو نے سر تن سے اِس شامت سے ملنے کا
ارے احسان مانوں سر سے میں تنکا اُتنے کا

ایک روز میرے مزاج کی کیفیت پوچھی میں نے عرض کیا کہ سر بھاری رہتا

اور چکر آآکر غشی کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ایک ہاتھ بھی اچھی طرح کام نہیں دیتا۔ فرمایا کہ اِسی کمبخت مرض نے مجھے بھی ستار کھا ہے۔ بھائی اِس کے علاج سے غافل نہ رہنا۔ خدا نہ کرے کہ فلج سے پالا پڑ جائے یا اُسی کا مقدمہ ہے۔ ابھی تمہیں اور جینا چاہیئے کیونکہ جو کام تم نے اختیار کر رکھے ہیں یہ آج ہی سمٹ جانے والے نہیں ہیں ؎

اے بیخبر در ہر چہ باشی زود باش

میں نے کہا دام دمڑے کہاں سے لاؤں اگر کچھ لکھا اور ایکی طرح آگ میں وُہ بھی جلگیا یا نا اہلوں کے ہاتھ جا پڑا تو اور بھی اسکی مٹی پلید ہو جائیگی دُعا کیجئے کہ خدا تعالےٰ کوئی ایسا سبب پیدا کر دے کہ میں اپنی نشستگاہ بنوا کر اسکا مہے کے سر ہو جاؤں۔ جواب دیا ؎

خدا خود میر ساماں است ارباب توکل را۔ ہونے والا ہو کر رہے گا۔

میرے حال پر کچھ ابتداہی سے نظر عنایت تھی۔ جب میں ۱۸۹۰ء میں اوّل مرتبہ دکن گیا تو آپنے اُسوقت نواب محسن الملک اور نواب انتصار جنگ یعنی نواب وقار الملک بہادر کے نام ایک ایک رقعہ لکھ دیا۔ مگر میں مولوی ہدایت اللہ خانصاحب انسپکٹر مدارس کے مکان پر جا اُترا۔ کیونکہ انہیں خبر کر دی تھی اور وہ از راہِ مہربانی اسٹیشن پر لینے آ گئے تھے جب نواب انتصار جنگ صاحب کو یہ خبر لگی تو آپنے مولوی ہدایت اللہ خانصاحب کو یہ فقرہ لکھا کہ کیوں صاحب آپنے ہمارے مہمان کو رستے ہی سے اُچک لیا یہ بات آپکی شان سے بعید ہے آپ اُنھیں یہاں پہنچا دیجئے۔ دوسرے دن اونکے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو نہایت اخلاق و محبت سے پیش آئے اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور مولوی سید عبد المجید صاحب مہو...

کٹیپرایا۔ یہ صاحب آجکل مددگار ہوم سکرٹری ہیں۔ آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ بڑے لایق۔ عالی فہم۔ ذکی الحس۔ خوش اخلاق۔ مہمان نواز آدمی ہیں۔ اُس زمانے میں نواب انتصار جنگ بہادر کے تعدیہ اور ایڈی کانگ تھے۔ ایسے راز دار بھی دُنیا میں کم ہوتے ہیں۔

جس زمانے میں بمقام الہ آباد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا تو ہم۔ خواجہ حالی اور مولوی بشیر الدین صاحب مالک البشیر ایک ہی خیمے میں قیام پذیر ہوئے۔ مولوی بشیر الدین صاحب چونکہ دنیا سمجھتے تھے۔ ہم نے مذاق سے آپس میں انکا نام بحر العلوم رکھدیا۔ خواجہ صاحب اس لقب سے بہت خوش ہوے اور فرمایا کہ آپ نے اُنکی علمیت اور آئندہ کوشش کا خوب لحاظ رکھا۔ جس سے انہوں نے تاحفظ اپنا دوسر [illegible] یہ ہماری عادت تھی اور اب بھی ہے کہ ہم ہر وقت سفر میں ایک ضروری چیزیں اپنے ساتھ رکھا کرتے ہیں یہاں تک کہ روشنی کا سامان۔ اور [illegible] کا مختصر ذخیرہ۔ اور ہر قسم کی ضروری اشیا کا توشہ بھی ہمراہ [illegible] ساتھ [illegible] اتفاق سے خواجہ صاحب کو بعض چیزوں کی ضرورت پیش آئی اور وہ سب ہمارے پاس موجود نکلیں۔ فرمایا کہ ہمیں اس سفر میں آپکے [illegible] [illegible] اور مدد ملی۔ آپ کا بیگ کیا ہے عمر عیار کی زنبیل ہے۔ جو چاہو سو موجود اور جو کچھ ٹٹولو سو حاضر۔

[illegible] دہلی میں تشریف لاتے تو میر افضل علی صاحب عرف میر انصاب [illegible] کا [illegible] دوسرے محلے میں حضرت غالب کے اکثر جگہ کیا ہے۔ اور مجھسے رو [illegible] ایک مرتبہ جب کہ ہمارا سابقہ مکان یعنی نعلیمت گدھ عجائبات [illegible] آراستہ۔ نہایت دلچسپ دلاویز بنا ہوا تھا۔ آپ اس میں

تشریف لائے۔ اسوقت دو چار احباب اور بھی موجود تھے۔ دعوت کا سامان ہو رہا تھا اس تصنیف گڑھ کی بیرونی حیثیت معمولی تھی۔ آپ نے فرمایا مسیح صاحب سعدی نے شاید ان مکان کی تعریف یہ شعر کہیں گوئی فرمایا ہے ؎

چو بیت المقدس درون پر ز تاب
رہا کردہ دیوار بیرون خراب

سب احباب یہ شعر سنکر ہنس پڑے۔

جب کبھی میرے دل میں زیارت کی اُمنگ اُٹھی تو میں پانی پت جاکر انکے دیدار فیض آثار سے مستفیض ہوتا۔ خواجہ صاحب کے عزیزوں میں سے ایک داروغہ صاحب [illegible] نامی اسوقت ذہن سے اُتر گیا ہے قریب ہی رہتے تھے انکے ہاں شب کو در خاص نشست گاہ میں وقت گذرتا۔ دیکھتا کہ [illegible] بستر پڑے رہتے وہ بواہر کے ٹاٹ ہے اور [illegible] گئے ہوتے مگر [illegible] جب انکے بیٹھنے از خود سارا [illegible] موجود ہوتا یعنی [illegible] ٹاٹ پاس رکھ لیتے۔ شام کے وقت [illegible] لیکر بھی مولانا غوث علی مرحوم کے مزار مقدس پر سے جاتے [illegible] سے مہیرے پر کبھی حضرت شرف الدین بو علی قلندر [illegible] بابرکت پر وہاں جاکر وہ کوٹھڑی [illegible] رہا کرتے اور [illegible] جلسہ کو اپنی لا یفنی گفتگو [illegible] جسوقت آپ سا جیتا ہوتا یعنی [illegible] [illegible] ہوتے اور فرمایا کرتے [illegible] [illegible]

[illegible] نکے فیض سے خالی نہ رہے چنانچہ میں نے قبل از آتشزدگی ایسا ہی [illegible] بیان کتاب پہنچی تو پھر وہی اصلی قیمت کردی۔ اسپر قواعد بھی بڑے [illegible] دار لکھی تھی جو آتشزدگی کی نذر ہوئی۔ گورنمنٹ پنجاب نے بھی اسکی بہت قدر کی مسٹر [illegible] صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب نے اس کے متعلق دو چٹھیاں بھیجیں ایک میں تو لکھا کہ میں اسے خود پڑھونگا۔ دوسری میں تحریر فرمایا کہ میں نے از اول تا آخر نہایت شوق سے پڑھا۔ درحقیقت [illegible] کی مفید کتاب ہے خدا تعالیٰ انھیں اس ارادے میں کامیاب کرے۔ [illegible] دو سو روپے کا انعام بھی ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم و معرفت مرحمت فرمایا غرض ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

غالباً [illegible] روز سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خواجہ حالی صاحب اپنے بھتیجے خواجہ تصدق حسین صاحب کے مکان پر دہلی میں فروکش فرما تھے۔ [illegible] بھی حسب اتفاق جا نکلا۔ دیکھا کہ رسالہ زبان جس کے اڈیٹر مولوی [illegible] محمد خان صاحب مصنف مصباح القواعد ہیں آپکے دست مبارک میں [illegible] مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک تہذیب نسواں نے جو اسپر [illegible] کیے ہیں انکا جواب دیکھ رہے ہیں۔ مجھے وہ تمام جواب [illegible] خود پڑھکر سنایا۔ کہنے لگے کہ جواب تو دیا ہے مگر اس [illegible] میری [illegible] نہیں ہوئی۔ بہرحال انکا دم غنیمت ہے۔ کچھ نہ کچھ [illegible] رہتے ہیں۔ آگے کو ایسے لوگ بھی نہیں ملینگے۔

[illegible] مولوی [illegible] انہیں جیسے کچھ نہ کچھ اپنی عمر بیت گئی یا صدمہ گزرا [illegible] کا [illegible] نظم کا صدمہ انتقال

پیش آیا اس کے بعد بینائی نے دغا دینی شروع کر دی۔ پڑیال گئے آنکھیں بنوائیں کسیقدر افاقہ ہوا گر وہ کارکن بصارت نہ رہی اسکا بھی آپ نے چنداں افسوس نہ کیا لیکن سب سے بڑا افسوس جو مرتے دم تک ساتھ رہا وہ یہ تھا کہ آپکے نوجوان پیارے نواسے کو مرگی کا آزار ہوگیا تھا اسکا علاج کرانے میں کوئی ڈاکٹر۔ کوئی حکیم۔ کوئی دقیقہ نہ چھوڑا آپ کو اس لڑکے کا ہر وقت رنج رہتا تھا دم بھر جدا نہ رکھتے۔ یہاں تک کہ اسی رنج میں مضمحل ہوتے گئے بیماری زور پکڑتی گئی اور آخر خود ہی چل بسے۔

عالی جناب نواب احمد سعید خانصاحب طالب سلمٰہ کُل غالب آپکے شاگردان رشید میں سے قابل یادگار شاگرد ہیں منشی بہاری لال صاحب مشتاق جب تک اپنا کلام خواجہ صاحب کو نہ دکھا لیتے دیگر شخص کو نہیں سناتے۔ مولوی عبدالرحیم خانصاحب بیدل منشی کرم اللہ خاں عرف ننھے خاں صاحب شیدا نے بھی آپ ہی کو اپنا مشیر کلام بنا رکھا تھا گو مجھے شاعری سے چنداں مس نہیں مگر میں بھی جب کبھی طبیعت گدگداتی دل میں لہر اٹھتی اور کچھ لکھتا تو دکھا لیتا۔ دقیق اور غیر مانوس قوافی سے احتراض کرنے کی ہدایت فرماتے اور کبھی کسی کام سے انکار نکرتے زید بکر۔ ہندو مسلمان کوئی ہو اُسکی فرمائش بجا لیتے۔

اسوقت سوتی قوم کو جگانے والے مدہوشوں کو ہوش میں لانے والے۔ خواجہ حالی کا عالمگیر ماتم ہو رہا ہے۔ چونکہ آپ نہایت درویش مزاج۔ صوفی مسلک۔ صافی مشرب۔ فرشتہ سیرت فرشتہ صورت خدا ترس رحیم دل خیر خواہ سرکار و خلائق۔ اور ہر طرح کی لیاقت میں فائق تھے اس سبب سے ہر شہر میں آپ کی وفات کا نہایت افسوس

... ساتھ چرچا ہے اور جابجا ماتمی جلسے ہو رہے ہیں اگر ہر شخص جس کے ساتھ جیسا معاملہ پڑا ہے۔ ہماری طرح اپنا برتاؤ لکھکر چھپوا دے اور غالب کی اردوئے معلیٰ کی طرز پر آپکے خطوط جمع کرا دے تو اخلاق حسنہ اور رامت معاملگی میں بہت بڑی مدد ملے بلکہ ایک عمدہ لائف تیار ہو جائے ہمیں اُمید ہے کہ مولوی وحید الدین صاحب وحید اس طرف ضرور توجہ فرمائینگے اور انکے خلف الصدق خواجہ سجاد حسین صاحب بھی وحید صاحب کا ہاتھ بٹائینگے۔

اگرچہ ابھی تک اس ذکر سے طبیعت نہیں بھری مگر بخوف طوالت ان چند فقروں پر اپنی تحریر کو ختم کیئے دیتا ہوں۔

ہائے **حالی**! قوم پر نوحہ کرنے والے حالی! تمنے اپنی جگہ تو خالی کر دی مگر اسکا نعم البدل کچھ نہ چھوڑا۔ اب اس طبیعت کے لوگ کہاں پیدا ہیں نو تعلیم یافتہ سات جنم لیکر بھی اس اخلاق اور ان عادات کو نہیں پہنچ سکتے۔ جس وقت بات کرتے تھے مُنہ سے پھول جھڑتے تھے جب کوئی تذکرہ چھیڑ دیتے تھے تو دل وگوش کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے اُن کی ہر بات میں ایک نہ ایک نکتہ تھا اور ہر نکتے میں سیکڑوں راز کی باتیں تھیں۔ جن سے صدہا عقدہ ہائے مالاینحل حل ہو جاتے تھے۔ ہائے اب یہ صحبت کہاں یہ طبیعت کہاں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم بھی آئے کے راستے ہیں آپ کو تو ایک جہان نے رویا مگر ہمارا کوئی رونے والا بھی نظر نہیں آتا ہم اپنا آپ ہی پُرسہ دیکر اپنے اس شعر پر عمل کرتے ہیں ؎

جب کوئی بھی ملا نہ ہمیں اپنا دردمند۔
ہم آپ سوگوار بنے اپنے واسطے

ہمیں بڑا رونا اپنے ہونہار بچے کی تعلیم اور اسکی پرورش کا تھا سو خدا ہمیشہ قائم و برقرار رکھے عالی جناب نواب میر محمد عثمان علی خان بہادر بالقابہ قدر افزائے علم و فن سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کی ذات والا صفات کو کہ آپ نے ازراہ رحم دلی میرے دو وظیفے کو منصب سے تبدیل فرما کر میرے بچے کے واسطے منظور فرمایا۔ تا حیات میرے واسطے پچاس روپیہ ماہوار کا دوسرا وظیفہ جاری کر دیا۔ اور میری زندگی میں میری تمنا کو پورا کر دکھایا اب میری کوئی آرزو باقی نہ رہی چین سے قبر میں پاؤں پھیلا کر سوؤنگا۔ میری روح درگاہ رب العزت میں ہمیشہ آپکی سلامتی و ترقی کے واسطے دعا خیر کرتی رہیگی۔

رہا فرہنگ آصفیہ کا دوبارہ چھپنا اور ارزاں نرخ پر شائقین کے ہاتھ آنا، شیدایان اردو کو فیض پہنچنا سو اسکی بھی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ فقط

خواجہ حالی کا ماتم نگار، بندۂ دلفگار، سید احمد دہلوی،
مؤلف فرہنگ آصفیہ،

دروز

خلفاء فاطمیہ کا چھٹا خلیفہ حاکم بامر اللہ جو ۹۹۶ء میں مصر میں خلیفہ تھا اس فرقہ کا بانی ہے۔ اسکو یہ یقین تھا کہ میں خدا سے باتیں کرتا ہوں اور نیز یہ کہ خدا کا اوتار ہوں۔ یہ خیال اس کے دماغ میں عرصہ تک پکتا رہا اور آخر [illegible] میں جامع قاہرہ میں اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اسماعیل دروازی نے اسکو سب سے پہلے مانا مگر لوگوں نے سخت مخالفت کی چونکہ اسمعیل کوئی بڑا آدمی نہ تھا اس وجہ سے اسکو بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑی اور وہ لبنان کے پہاڑی علاقوں میں چلا گیا جو شہر بیروت اور دمشق کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں ان پڑھ جاہل لوگ بکثرت تھے جنھوں نے اسمعیل کا خیر مقدم کیا اور ڈھائی تین برس کی کوشش میں یعنی ۱۰۱۹ء میں ایک بڑی تعداد [illegible] اسکے شائع کردہ مذہب قبول کیا اور اسی کے نام سے دروز کہلانے لگے۔

ادھر حاکم بھی غافل نہ تھا اور نئے مذہب کی اشاعت کی کوشش کرتا تھا [illegible] میں اسکو ایک حواری حمزہ ابن علی ابن احمد مل گیا۔ یہ شخص ایک معمولی ایرانی تھا اور کفش دوزی کرتا تھا۔ حاکم نے اسکو اپنا وزیر بنایا [illegible] لوگوں کو ایسا [illegible] تھوڑے عرصہ میں [illegible] لوگ [illegible] پیرو ہو گئے [illegible] [illegible] [illegible]

پر تجہیز وغیرہ کرکے لوگوں میں مشہور کیا کہ حاکم کچھ عرصہ کے واسطے لوگوں سے غائب ہوگیا ہے چنانچہ اس فرقہ کے پیرو ابتک اسکی واپسی کا انتظار کرتے ہیں اور کسی شخص کو اپنے مذہب میں نہیں لیتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہہ قدرت صرف حاکم ہی میں ہے اور جب وہ واپس آئیگا تو کل دُنیا دروزہو جائے گی۔

اِدھر تو حمزہ نے یہہ کارروائی کی اُدھر دارزی (اسمٰعیل) نے بھی لوگوں کو برگشتہ کردیا اور ظاہر کیا کہ وہ جھوٹا اور جادوگر تھا چنانچہ اسی قسم کے الزام لگا کر اسکو مروا ڈالا اور اس طرح اُسکا زور بالکل توڑ دیا۔ گو تمام لوگ آجناب اسمٰعیل سے بدظن ہیں مگر فرقہ دیلی کے نام سے موسوم ہے اسکی وجہ تسمیہ کی بابت بعضوں کا یہہ خیال ہے کہ لفظ دروز کا ماخذ دارس ہے جو لفظ عربی ہے اور جس کے معنی ہیں پڑھنے والے۔ یا در یہہ ہے جسکے معنی صادق کے ہیں یا دری ہے یعنی ہوشیار یا ذہین۔ مگر زیادہ تر اسی پر متفق ہیں کہ یہہ فرقہ اسمٰعیل دارازی ہی کے نام سے موسوم ہے۔

یہہ لوگ سب سے زیادہ سلطنت ترک میں آباد ہیں اور وہاں انکے مقامات حسب ذیل ہیں:۔ مگر اصل میں یہہ لوگ وسط سوریا کے باشندے ہیں۔

(۱) جبل حوران میں سب سے زیادہ آباد ہیں (۲) لبنان میں حوران سے کسیقدر کم ہیں۔ زیادہ تر آبادی یکجائی انکی انھی کے مقامات پر ہے اور انٹی لبنان۔ ہرماں۔ وادی التیم۔ حمس۔ حمیدیہ۔ سلیمیہ وغیرہ میں قریب پینتالیس ہزار کے آباد ہیں۔

نہایت سرکش ہیں ایک عرصہ تک حکومت ترکی سے برسر جنگ رہی اور اپنے ایک شخص کی (جسکو عاقل کہا جاتا ہے) ماتحتی میں علیحدہ سلطنت قایم

[illegible] کبھی کو سر مرتبہ [illegible] دروزیوں کی [illegible] کے بعد پھر سرکشی پر آمادہ ہوجاتے تھے آخر [illegible] میں [illegible] ایک [illegible] ظاہر [illegible]

[illegible] سرکوبی [illegible] [illegible] ان کی

[illegible] منظور کی ۔ اسوقت [illegible] قرار پائی [illegible]

سنہ ۱۸۶۰ میں انہی لوگوں نے نصاریٰ کا کشت و خون کیا تھا جسکی وجہ سے اکثر دولی کی فوجیں بیروت پر خشکی پر اتر پڑی تھیں اور جب لبنان میں عامنجی ایک عیسائی گورنر کے ماتحت گورنمنٹ ہوگئی جب واپس ہوئیں ۔

یہ لوگ علی العموم میانہ قد اور گٹھیلے بدن کے ہوتے ہیں جیسا کہ ایک پہاڑی قوم کو ہونا چاہیے ۔

اب ہم انکے عقائد جو ہمکو کتابوں سے اور اکثر بزمانہ قیام بیروت دریافت ہوئے ہیں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں امید ہے خالی از دلچسپی نہونگے ۔

انکا عقیدہ ہے کہ خدا نے وقتاً فوقتاً اوتار دنیا کی شکل اپنے آپ کو انسان پر ظاہر کیا اور آخری اوتار حاکم بامر اللہ ہے ۔ حاکم کے وزیر حمزہ کو عقل کل مانتے ہیں اور اسکے بعد چار فرشتہ روح جسکا اوتار اسمٰعیل دارازی کلمہ جسکا اوتار محمد ابن وہاب ۔ دائیں جسکا اوتار سلامہ ابن الوصل اور بائیں جسکا اوتار بہار الدین مانتے ہیں ۔

ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ انجیل اور قرآن کو کتب وحی تسلیم کرتے ہیں مگر قابل عمل نہیں سمجھتے ۔ حکایت دروزیہ پر عمل کرتے ہیں ۔

انکے عقیدہ میں بزمانہ حاکم ۴۲۷ھ [illegible] دروازہ رحمت کھلا رہا اب کوئی شخص تا وقتیکہ حاکم کا ظہور نہ ہو اس فرقہ میں داخل نہیں ہوسکتا

بعد از ظہور کل دنیا بھی مذہب اختیار کریگی - حاکم اسکے آنکر مکہ معظمہ وغیرہ کو فتح کریگا -

تقیہ بھی جایز اور ہمنے انکو اکثر مسلمانوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑہتے دیکھا ہے -

حمزہ ابن عقل کل کے سات احکام کی تعمیل لازمی اور فرض ہے - احکام یہ ہیں

(۱) درو زکو دروز سے سچ بولنا چاہیئے - (۲) برادری کی اعانت اور ہمدردی ہمیشہ کرنی چاہئے - (۳) تمام مذہبوں سے قطعی علیحدگی رکھنی چاہیئے (۴) جو غلطی پر ہوں اُن سے احتراز کرنا چاہیئے (۵) ہر زمانہ میں توحید خدا پر ایمان رکھنا چاہیئے (۶) ارادہ الٰہی پر تسلیم کیجئے - (۷) احکام الٰہی کی پوری اطاعت -

یہہ لوگ نماز کو خدا کی جناب میں بے ادبی گستاخی اور دخل در معقولات سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ خدا کو ان باتوں سے تکلیف ہوتی ہے اور غصہ آتا ہے -

صحایف دروزیہ کا علم ایک خاص فریق تک محدود ہے جسکو [illegible] کہتے ہیں اور باقی کل دروز جاہل کہلاتے ہیں خو . امیر ہوں یا غریب عاقل کی شناخت یہہ ہے کہ وہ ٹوپی کے گرد [illegible] عمامہ سا باندھتا ہے جسکو سوا اسکے گروہ [illegible] یہہ لوگ پندرہ فیصدی کی نسبت رکھتے [illegible]

جلسہ ہوتا ہے [illegible]

پر بحث اور مشورہ ہوتے ہیں - جن مکانوں پر یہہ جلسہ ہوتے

خلوص کہتے ہیں جو نہایت سیدھے سادھے طریق پر بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسکے متعلق جو مراد لی ہوتی ہے جس سے غربا و مساکین کی مدد کی جاتی ہے اور مہمانوں کی خاطر مدارات میں سب خرچ کی جاتی ہے۔

عاقل اور جاہل میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ جاہل صحیفے نہیں دیکھ سکتے [illegible] اسکو معاوضہ مزدوری [illegible] سے کرنا پڑتا ہے [illegible] شریک ہوسکتا ہے۔ باقی اور عام اصول [illegible] بلکہ جو بانی اور خوش اخلاق ہیں وہی بہتر سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ [illegible] قابل عزت شمار کیے جاتے ہیں حالانکہ ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔

تمباکو اور شراب نوشی ممنوع ہے مگر اب کچھ مدت کو بعض [illegible] کا رواج ہوتا چلا ہے۔ عورتوں [illegible] ریشم [illegible] ہر قسم کی [illegible] اور فوق البھڑک چیزیں ممنوع ہیں مگر اب [illegible] خاطر کرتا ہے کہ سادگی کا لحاظ [illegible] ہے۔

[illegible] سوا اسکے عقلا کے [illegible] جہلا کو [illegible] اور [illegible] زیادہ [illegible] جاتا ہے کہ [illegible] پیشہ ور [illegible] جنکو [illegible] عاقل کے [illegible] سے تعلق ہے۔

[illegible] مذہب کس طرح چل رہا ہے کہ [illegible] معلوم نہیں [illegible] وثوق ہے کہ [illegible] کوئی بھائی گیا وہ جانیں اور انکا کام مگر یہ [illegible] ہو جاتا ہے +

محمد عبد اللہ [illegible]

صمد آلہ آبادی

کو بھی [illegible] سوال کو درت کرتے ہیں اور تمدن [illegible] حالات [illegible] حاضرین اڈیٹر

یورپ کی ترقی [illegible] اہل کمال کی قدر اور مشاہیر پرستی بھی ایک بڑا سبب ہے انکے یہاں کوئی ایسا شخص جو کسی فن میں کامل ہو ممکن ہی نہیں کہ وہ گمنامی کے عالم میں پڑا رہے اول تو خود اسکی زندگی میں اسکی قدر افزائی کی جاتی ہے جس سے اسکا دل بڑھتا ہے اور تکمیل کمال میں وہ بدل و جان کوشش کرتا ہے اور اسکے مرنے کے بعد تو اسقدر اسکی عزت افزائی ہوتی ہے کہ پرستش تک نوبت پہونچ جاتی ہے شیکسپیر وغیرہ کی زندہ مثالیں موجود ہیں ایک ہماری حالت ہے کہ زندگی کا کیا ذکر ہے اس عالم میں تو کوئی اسکا پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا مرنے کے بعد بھی وہ غریب اور اس کے کمالات ہمیشہ کے لئے گمنامی میں دفن کر دئے جاتے ہیں اسکی زندگی میں اسکے کمالات کی کوئی قدر ہوتی ہے نہ قیمت پھر آیندہ نسلوں کو کیا خاک امنگ ہوگی کہ وہ کسی فن میں کمال حاصل کریں جبکہ کمالات کی بیقدری و بازاری ہے قاعدہ ہے کہ ہمیشہ امنگیں اسباب ترغیب و تشویق کے باعث سے پیدا ہوتی ہیں جب اس قسم کے اسباب ہی پیدا نہ ہونگے تو امنگیں بھی پیدا نہ ہونگی تو [illegible] کمال کا پیدا ہونا کیونکر موقوف نہ ہوگا ترقی کا [illegible] زمانہ [illegible]

ہم امرآبادی جن کے چند اشعار آج ناظرین تمدن کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں انھیں باکمال شعرا میں سے ہیں جنکے کمالات پر ملک نے بالکل توجہ نہ کی اور وہ ہمیشہ کے لئے گمنامی کے عالم میں چلے گئے علیم حبیب اللہ صاحب نام صمد تخلص امرآباد وطن ذوق کے شاگرد رشید اور داغ کے معاصر و ہم پیشہ حضرت صمد ذوق کے شاگرد تھے مگر ذوق کی طرح بد مذاق نہ تھے نہایت پاکیزہ مذاق تھا اور بہت صاف ستھرے ہوئے شعر کہتے تھے انکے کلام میں صوفیت و سخافت ذوق کی طرح زیادہ نہیں پائی جاتی علٰے مضامین پاکیزہ جذبات صاف صاف ادا کرتے تھے انکی طبیعت میں فطرت نے سوز و گداز بہت زیادہ ودیعت کیا تھا اسیر اور [illegible] اور [illegible] اور قلب کو [illegible] بنا دیا یہی وجہ ہے کہ انکے اکثر اشعار [illegible] ہوتے ہیں اور نشتر کی طرح دل و جگر میں اتر جاتے ہیں انکو شعر کے پڑھنے میں خاص ملکہ تھا ایک ایک شعر کو کئی طرح ادا کرتے تھے اور مختلف لب و لہجہ اور انداز بیان سے مختلف معانی شعر میں پیدا کر دیتے تھے جس سے شعر میں جان پڑ جاتی اور اسکا حسن دوبالا ہو جاتا جب کوئی پردرد شعر پڑھتے تو سامعین کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی ساری مجلس سوز و گداز و درد اضطراب کا مرقع بنجاتی تھی کچھ تو طبیعت کا فطری سوز و گداز کچھ خارجی مصائب و حوادث کے تاثیرات درد انگیز اور کچھ پڑھنے کا موثر انداز بیان سب ملکر شعر کو سحر بنا دیا کرتے تھے اور سننے والے پر بجلی کا سا اثر [illegible] تھے [illegible] سوز و گداز دل [illegible] [illegible]

[illegible] ہوئی جب کہ مولانا محمد حسین [illegible] جب قدس [illegible]

کرلی اور صرف نعت کہنے پر اکتفا کرلی آخر انکی شیفتگی حضور نبوی میں عشق کے درجہ پر پہونچ گئی تھی جب کبھی کوئی شعر نعت میں فرماتے اور لوگوں کو سناتے تو تو انکی جو حالت ہوتی تھی وہ حیطہ تحریر سے باہر ہے۔ چنانچہ ایک شعر نعت کا مجھکو یاد ہے۔

اور مدینے میں خدائی کے پانیوالے
منتظر اور بھی دو چار ہیں آنے والے

جسوقت اِس شعر کو مخصوص انداز سے پُرنم آنکھوں کو مترجم بناکے انھوں نے پڑھا اور سمجھئے کہ سامعین کے قلوب قابو میں نہ تھے بہت سی سنگین آنکھیں پُرنم ہوگئیں ہر شخص پر ایک کیف طاری ہوگیا تا جدار مدینہ کی آرزوئے زیارت سے دل بیتاب ہوگئے اور کیا عجب ہے کہ بیتاب آرزو نے آنکھوں میں نمی اختیار کرلی ہو ہمیں چند غزلوں کے چار چار تین تین شعر ملگئے ہیں انکو پیش کرتے ہیں۔

ہمیں تو گھر میں نہ چین آیا کہ آہ کرتے اِدھر سے نکلے
تمہارا آرام کس نے کھویا کہ ہوکے بیتاب گھر سے نکلے

کھڑے تھے تم آپ عاشقوں میں یہ چال تھی جو ہمیں سنائی
کہ لوگ روکے کھڑے ہیں رستہ بتاؤ کوئی کدھر سے نکلے

ہمیں تو اس بات کا ہے رونا عدو کے مرنے پہ رو رہے ہیں
اور اُسپہ تاکید ہو رہی ہے جنازہ اسکا اِدھر سے نکلے

نہ زرد یا رندگی خوشامد نہ سحر و جادو کے ہم ہیں قائل
[illegible] تو کام اکثر ہمارے دل سے [illegible] سے نکلے

[illegible]

شعر کے ٹھاٹھ دیکھئے پھر اثر آہ ملاحظہ کیجئے کہ کب محبوب بیتابانہ گھر سے باہر لا کر کھڑا کر دیا شاعر نے اپنی کوچہ گردی کی تاویل تو اپنی بیچینی سے گردی کہ میں تو مجبور تھا اور اس طرح بیان کیا گویا اسکو بیتابی نہیں لیکن معشوق نیا ہو گیا تمہارے آرام میں کس نے خلل ڈالدیا کہ یوں بیتاب ہو کر گھر سے نکل پڑے غریب کو تعجب ہے گویا اسکو یہ نہیں معلوم کہ میری ہی آہ کا اثر ہے باوجود اس کے کہ اپنے کو لاعلم ظاہر کرتا ہے اور دریافت کر رہا ہے کہ بیتابانہ گھر سے نکل آنے کا کیا سبب ہے لیکن اس لاعلمی ہی میں خدا معلوم کتنی واقفیتیں پنہاں ہیں اور اس لاعلمی ہی میں محبوب کو یقین دلا رہا ہے کہ صرف میری آہ کا اثر ہے کہ آپ یوں بیتاب ہو کر نکل آئے انداز بیان کسقدر پاکیزہ اور دل میں گھر کر لینے والا ہے مطلع کے علاوہ اور اشعار بھی اپنے اپنے رنگ میں اچھے ہیں۔

صمد کے کلام میں یہ خاص خصوصیت ہے کہ وہ اس انداز سے شعر کہتے تھے کہ پڑھنے سے اس میں اور زیادہ حسن پیدا ہو جاتا چنانچہ اس غزل کو اس طرح سے پڑھتے تھے کہ تصویر سامنے آجاتی تھی۔

مجھکو دیکھا تو کہا آئے ستانے والے
حال دل کہہ کے مرے دل کے دکھانیوالے

بظاہر تو صرف گلہ مند شعر ہے کہ صورت دیکھتے ہی شکایت کرنے لگے کہ میرے ستانے اور دل کے دکھانے والے آگئے مگر خالی شکایت ہی نہیں ہے بلکہ اسی شکایت میں اعتراف محبت بھی پنہاں ہے اور نہ صرف انکی محبت کا اعتراف بلکہ اپنی محبت کا بھی اقرار ہے ورنہ اس کا حال دل سنکر متاثر کیوں ہوئے اور کسی کے خستہ حالی سے

مثال [illegible] دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ پھول [illegible] کی نکہت [illegible] سے شاعر [illegible] معطر [illegible]

[illegible]

[illegible] / [illegible]
کیا لیا [illegible] تم نے چھو / جان پہچان سے گئے دل کے [illegible]
سامنے آنکھوں کے [illegible] دور نہیں / [illegible] بولا سے تو صمد ہم نہیں [illegible]

داغ کا مشہور مطلع ہے

جہان تنگ کی کارگر ہوگی / میری آہ تیری نظر ہوگی

اسی زمین [illegible] ایک شعر صمد کا بھی ہے

دکھایا [illegible] / خدا جانے کس کا اثر ہوگی

گو داغ کا [illegible] مطلع بہت [illegible] ہے مگر صمد کا یہ شعر [illegible] شعر نہایت پاکیزہ ہے اور [illegible] ہے۔

یہ مانا کہ وعدہ کیا [illegible] / [illegible]
چھپایا بہت تم نے تغیر حال / مگر یار ہمکو خبر ہو گئی
فرشتے کیا کرتے ہیں مخبری / گئے تم کہ ہمکو خبر ہوگئی

قول کے ہم بھی دھنی ہیں آزما کر دیکھ لو / اب نہ آئیں گے تمہارے گھر بلا کر دیکھ لو
گو وہ کہتے ہیں کہ میرے گھر میں کوئی ہی نہیں / شک یہ کہتا ہی نہیں خود گھر میں جا کر دیکھ لو

آخر میں ہم حضرت صمد کے غزل کے تین شعر نقل کرتے ہیں جو تغزل کی پاکیزہ ترین مثال ہیں اور الہ آباد کے ارباب سخن کو حضرت صمد کی روح کے واسطہ دلا کر یہ التجا کرتے ہیں۔ کہ حکیم صاحب کے مفصل حالات اور انکے کلام کو گمنامی سے

دنیا میں اور انکو ادبی رسائل کے ذریعہ سے پبلک میں پیش کردیں مرحوم کو دُنیا سے گئے ہوئے بہت دن نہیں گذرے انکے احباب وطن کو انکا مفصل حال اور انکا کلام دستیاب ہوسکتا ہے کیا مرنے والے کا اتنا بھی حق نہیں کہ یارانِ وطن اسکے اولاد ممنون کو فنا ہونے سے بچائیں۔ ہمکو معلوم ہے کہ الہ آباد کے اکثر حضرات انکے حالات سے واقف اور انکے کلام کے حافظ ہیں مگر افسوس چند دن بعد یہ لوگ بھی نہونگے اور پھر صمد ہمیشہ کے لئے مرجائیگا حالانکہ اسکو نہ مرنا چاہیئے۔

ایک کافر پر طبیعت آگئی　　پارسائی پر قیامت آگئی
یاد کرکے تمکو یہاں رو دئے　　سامنے جب اچھی صورت آگئی
چپکے چپکے رو رہے ہو کیوں صمد　　سچ کہو کس پر طبیعت آگئی

گو سب شعر اچھے اور حسن و عشق کے جذبات عالی سے لبریز ہیں مگر دوسرا شعر (یاد کرکے الخ) تو قیامت کا ہے خدا معلوم ان سادے الفاظ میں کونسی چیز پوشیدہ ہے کہ قلب و روح میں ایک تلاطم برپا ہوجاتا ہے حسن تعشق کی اگر کوئی بھی مثال مل سکتی ہے تو شاید اس سے بڑھکر نہ مل سکے۔ اگر صمد اپنی تمام عمر میں صرف یہی ایک شعر کہتے تو وہ اسکا کافی تھا اور یقیناً وہ زبردست شاعر کہلانے کے مستحق ہوتے کیا یورپ میں صرف ایک مختصر سی نظم پر ایک شخص ہمیشہ کے لئے مشہور نہیں ہوگیا۔

میرے ایک محبوب اور مسلم المذاق دوست مسٹر جب ... جب اس شعر کو مجھسے سنتے اور وہ اکثر سنتے ہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس شخص کی کیا حالت ہوجاتی ہے اس سے یہہ غرض ہے کہ اس شعر کی خوبی صرف ذوق صحیح پر منحصر ہے اس لطافت کا کچھہ وہی حضرات

ایسی طرح سے اندازہ کرسکتے ہیں جو قدرت کی طرف سے مذاق سلیم لیکر پیدا ہوئے ہیں۔

ہم پھر دو ان حضرات کو توجہ دلاتے ہیں جو صمد کے حالات و کلام سے واقفیت رکھتے ہیں خدارا اب زیادہ استغنا نہ برتیں، ملک پر احسان کرینگے اگر صمد کا کلام قوم و ملک کے سامنے پیش کردیں گے ✣

عارف ہسوی فتحپوری

خدا آباد رکھے ہم صفیران گلستاں کو | جو کوئی پھول کھلتا ہے تو ہم کو یاد کرتے ہیں
مرے صیاد نے گلچیں کیے ہیں میرے نشیمن کے | یہ سنگینی بھی اس قابل قفس پر یاد کرتے ہیں
خود انکا حسن میری دادخواہی آپ کرتا ہے | وہ آئینہ لئے ہیں اور مجھکو یاد کرتے ہیں

باغباں آگ دی جب آشیانے کو مرے | جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

کعبہ کو جب سے شکر کا سجدہ ادا کیا | اللہ آپ آگئے ہیں میرے مکان پر
میری طرح سے حال مرا انکا خیرخواہ | عاشق ہے انکی نیند مری داستان پر
آزار عشق سے کہیں گھبرا نہ جائے دل | آنے لگیں ہیں یاس کی باتیں زبان پر

قابو میں دل نہو تو غزل کیا کہے کوئی
فرمائشیں عذاب ہیں ثاقب کی جان پر

صدائیں دیکے ہم نے ایک دنیا آزما دیکھی | یہی سنتے چلے آئے بڑھو آگے یہاں کیا ہے
قفس مجھکو نشیمن ہوگیا خوف اسیری سے | کوئی پتا کھڑکتا ہے تو پھر دل [illegible]

مرزا ثاقب لکھنوی

درسِ وفا

(۱)

تغافل [illegible] عشق [illegible]

معصوم اور پاکیزہ [illegible] کا وہ [illegible] سال تھا جو حسن و عشق
کی فرسودہ کہانیوں کو محض اوقات گذاریوں کا ایک دل خوش کن مشغلہ
[illegible] دل سے لگاؤ، تلاشِ عشق، زخمِ محبت اور داستانوں [illegible]
واقعہ افسانہ ہی سمجھے جاتے ختم ہو گیا تھا۔ اگرچہ حسیاتِ شباب نے [illegible]
[illegible] دیا تھا مگر عشق کو تو میں [illegible] خیال [illegible] تھی۔

آپ یقین کیجئے آغاز [illegible] میں جب جب ناول پڑھتے اور بالخصوص
[illegible] وہ مخصوص پلوٹ جن میں ہیرو و ہیروئن جدا جدا محبت کی تلخیوں اور
[illegible] بیتابیوں کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ اور اشتیاقِ وصل و قرب کے
[illegible] ناموس و حیا چھوڑ بیٹھتے ہیں تو [illegible] عبارتوں اور ایسے تخیلات
[illegible] کہ ان قوموں کی
قسمت کیا ہے۔۔۔ —

بیشک کوئی شک نہیں تا دونوں [illegible] ہمیشہ بزرگوں
کی نصیحتوں کا خیال کیا اور نا دل [illegible] شغل مذموم سمجھی، اب چاہتے
مسلسل [illegible] کی چاٹ لگی اور چاہتے تھے کچھ اور —— لیکن اس
[illegible] بعد کی
[illegible] تا دلوں سے ایک گونہ انس ہو گیا اور مجھے بارہا محسوس ہوتا

تھا کہ جذبات نگاری کی جا رہی ہے، اور یہی خیال رفتہ رفتہ بڑھا اور تدریجاً اس نے میرے تخیلات میں مختلف الوان رنگینیاں پیدا کر دیں، اور مجھے اپنی سادی و صاف زندگی اک خلش مبہم، اور اک خراش نامعلوم سے معمور نظر آنے لگی، مجھے تلاش ہوئی کہ حقیقت میں محبت کیا چیز ہے؟ مجھے فکر سی رہتی کہ لگاؤ خاطر کس شے کا نام ہے، اور اسمیں کچھ نہ معلوم ہو کر اکثر اداس اور غمگین ہو جاتی تھی!۔

بہر حال خیالات نے ترقی کی اور میں کچھ سمجھنے لگی، ہاں، جسکو صحیفۂ حیات محبت کا درس اولین کہتے ہیں میرے پاس ہے، اور میرے پاس تھا، لیکن میں کن لفظوں میں ظاہر کروں کہ مجھے اور کیا وہ آرزو خاموش متفکر، اور مدعا نا آشنا خلش، تھی جس کے لئے میں نہیں میری روح بیتاب تھی۔

میں چاہتی تھی کوئی میرا ندیم صحبت ہو جو میرے داعیاتِ روحی گوش گذار فرمائے، میرا آہ کوئی ہم راز ہو جو میرے محسوسات دلی کو سمجھے، سمجھے میری شعلہ آرائیوں، اور آتش طرازیوں نے پھونک رکھا تھا اور آہستہ آہستہ بھڑک زیادہ ہو رہی تھی!۔

لیکن اسکے ساتھ ہی سترھویں برس تک میں اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھا اور میرے خیالات کا زیادہ حصہ صاف، [illegible] تھا، اور محبت سے نا آشنا محض۔ بارہا تخلیہ میں سوچتی تھی [illegible] کچھ نہ سمجھی تھی کہ دفور شوق: اور فزونی انس [illegible] اور جذبۂ تخیل ہی عشق کا عرفی نام ہے!! اور یہ اس سے بھی تشفی نہ ہوتی تو زندگی کے آنے والے مرحلوں پر اسکی تفہیم چھوڑ کر چپ ہو رہتی۔ اور

فکر و کاوش میرے دلکو یہہ کہہ کر منالیتی ہے کہ وہ ذمہ دار زندگی جو کل نصیب ہونے والی ہے، اوسمیں بھی شوق و انس بڑھا کر دیکھوں گی —— اوسمیں میں بھی اضطراب و بے چینی پیدا کرونگی ——— میں ایسی اِک حیاتِ آرزو ہوں کل کچھ پاؤں گی تو سمجھونگی ——— !!

بہرحال مخمور و نیم خبری سے اٹھارہویں سال کے شروع میں حسن کا پیوند عشق سے ہوگیا کیسے مزے کی بات ہے ہم جولیوں سے رخصت ہوتے وقت پہلا جو خیال میرے دل نشین تھا وہ یہ تھا کہ اللہ کرے،، میری زندگی شوقِ بے تاب دلوں کی حیاتِ محبت بن جائے،، اور نیازِ مجسمۂ عشق اور تسنیم پیکرِ حسن ثابت ہو؛

یہہ اک جذبہ تھا جس نے مجھے حد سے زیادہ خوش و شادماں بنا رکھا تھا اور دوسری طرف اک کاوش بھی تھی کہ دیکھئے کیا ہو؛

فکر تھی کہ دستورِ انتخاب کو دربارِ حُسن و عشق میں بڑا رسوخ ہے مگر میرے غرورِ شباب نے اوسکو ذرا وزن نہ دیا اور مقابلہ تمکنت سے لئے آمادہ کردیا تھا!۔

آہ ہزاروں ولولوں اور ارمانوں اور لاکھوں اُمیدوں و خوش خیالیوں سے بھرا تھی وہ زندگی جو اب تک نہایت اطمینان و بے فکری اور نہایت آرام و آسائش سے بسر ہو رہی تھی آنے والی زندگی پر قربان کر ڈالی — !

(۳)

پہلے دن اپنی کونسی تھی قدر و منزلت
بعد ان کی منتوں سے مجبور ہی رہی سہی!

دنیا تو بہشت سے ... زندگی ... ہے اک حیات ... [illegible]

ی تڑپتی ہے اور کوئی پرسانِ حال نہیں ۔ بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ
حبت اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر آئی ہے، اور شوق و تجسس آمیز
گاہوں میں دلفریب سمجھی گئی، مگر ہائے اُس تلخی ندامت و مجبوری،
وس لذتِ الم و مایوسی کو نہ پوچھئے جبکہ نقاب کی دلفریبی پر محمول کر کے
وئی غلطی سرزد ہو گئی ہو !۔

محبت کی پہلی غلطی ہی ایسی غلطی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناسور بن کر
ردناک ثابت ہوتی ہے آہ نیاز! اصغر کے اوس پیغامِ محبت کو جو
نیاتِ عشق کے عہدِ اول میں پیش کیا گیا تھا بھولی و ناسمجھ تسنیم اپنی
ہلی غلطی سے قبول کر بیٹھی !۔۔

اوس عہدِ وفا کو جو حضورِ حسن میں باعظمت طریق سے و حلفِ عشق،
ے ساتھ بیان کیا تھا تسنیم یقین کر بیٹھی !

دیوتائے عشق و محبت کی دل سے سوگند کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ یہ
و کبھی ممکن نہیں جو محبت میں ارزانی جائز ہو۔ انتخاب اول۔ عہد ابیانی کی
ہو جان کے ساتھ رہنے کے لئے ہے۔ مجھے محبت کا ہاتھ دیدے مجھے
عشق کا پیام دیکر دوسرے سے محبت کیونکر جائز ہوئی، اور کیونکر جائز
ہو سکتی ہے !،

آہ محبت تو فقط ایک سے اور صرف ایک سے ہو سکتی ہے،
جذبات زخمی ہو جاتے ہیں جب محبت اور رنگِ ہرجائی یک ساں نظر
آئے۔ نیاز! اصغر تم تو میرے تھے۔ اور میرے ہی لئے تھے، وہ عہدِ محبت
یاد کرو، جو میری دونوں ۔ کے اک بوسہ صداقت سے منضبط کیا گیا تھا
وہ زمزمہ وفا درمیان ... زندگی درزیوں کی دعائیں تم کیا تھا ... میں

مجبور ہوں مگر اب بھی شیدائی ہوں میں ذوق ہوں کہ اب بھی فدائی تم نہ لو۔ تم نہ ہنسو۔ تم مجھے نہ چھیڑو۔ سب منظور لیکن خدارا قطع تعلق سے دل دہلانے اور روح زخمی کر دینے والے صدمہ سے بچا لو۔

ضرورت سے زیادہ مجھے دور دور گھر سے باہر رہنا ۔۔۔ تمہاری مصروفیت سمجھی۔ اور دل مضطرب پسند کو اب آئے۔ اب تم نے رنگ شناسائی کا بھلا دیا۔ مگر آہ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ نا خدا ترس جیسے فانوس آسمانی وہ مس شمشاد، میرے تاج روح کی مالک ہے۔ میرے اضطراب پیہم کا باعث ہے۔ ہمیشہ کی دوریاں اور وہ مجھ پر ہنسنے والے منتخب بھرے جائزہ خواہی کے لئے میرے سامنے آ کھڑے ہوئے!

آہ تمہاری بے رخی، اور موسم برشگال، کہ اندھیری و تاریک رات کہ وہ دلشکن آمیز اضطراب نکھلا یا ہو ہے۔ وہ اس دن جبکہ شام کی ہوائیں اور بارش سے آسمان کی چمک اور گرج نے پچھلے پہر سے تک دم توڑا تھا میں ۳ بجے شب تک ایک صوفہ پر میں ملفوف کرہ کے برآمدے سے میں تمہارے انتظار میں کھڑی تھی۔ آہ تم آئے! اور میری معصومیت سے متاثر ہوئے ہوں گے مگر اپنے نازک روح کا خیال نہ کر کے بیٹھے لپٹا لیے اور دوستوں کی دعوت و بزم سرود کا بہانہ کر دیا۔ میں نے یقین کر لیا تمہارا عذر وہ سب کچھ اب سامنے ہے اور میں شرمندہ ہوں اور غصہ میں آہ میں مجسم اظہار محبت تھی اور تم سراپا رد عمل! آہ وہ ولولے شوق، اور وہ ادعائے محبت۔ جو کہ میں اپنے لئے سمجھا کی غلط ثابت ہوئے۔

ناز سے عشوہ سے غمزہ سے لگا لیتے ہیں
وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

بزم اشتیاق کی اک وہ صحبت جبکہ یہہ شعر تمنے پڑھکر مجھسے داد و تشریح چاہی تو میں اپنی تعریف سمجھکر، وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں، اسکے جذبۂ غیر شریفنہ سے متاثر ہوئی اور للچا کر خموش ہوگئی آہ کوئی جواب نہ تھا، اس شعر کے اوا شناس مصنف سے کوئی اعتراض نہ تھا لیکن آج جبکہ اس شمشاد سے تمہاری موانست کی خبر ہے۔ اس شعر کی شرح ذہن میں آگئی! سارا شعر میری نظر میں توسوقیت و عمومیت کا ڈھیر بنگیا، آہ او ادا شناس شاعری سادگی ڈیہے باگی پر جسقدر بھی ماتم کیا جاسکے کم ہے۔ او فطرت لطیف سے سب سے نیز شاعوریت۔ اسکے جذبات کا مطالعہ کریاں پھر اور عورت کا جو جس شمشاد کی طرح [illegible] تو تہ ہوا

جنس لطیف کو ہر نوک کانٹوں پر ہاتھ دھرنے لگا اس حیاسوز آئین سے بیزار ہوگا۔ اور [illegible] صاف [illegible] کہ وہ جسے چاہتے اپنا بنا لیتے ہیں حسن جو تعلق [illegible] سے پاک ہے خود اک ناز [illegible] ہے عشوہ و غمزہ۔ خدا کی قسم حیا کو تو گردش نگاہ بھی بار ہے چہ جائیکہ حسن نظارگی کے لئے کوئی اہتمام دار و گیر اس طبقہ کے لئے مرزا غالب خوب کہہ گئے ہیں

مت پوچھ رسوائے انداز استغنائے حسن

دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

کیا پیارے نیاز اصغر یہہ حسن ہر جائی قابل پرستش ہے، کیا مس شمشاد ارزاں فروش حسن میرے مقابلہ میں گرانمایہ ہے! آہ وہ زلفیں ریشم کی رسیاں ہیں جو ناگ بنکر ڈس لینگی! آہ وہ آنکھیں زہر بجھے خنجر ہیں جو جگر تک کاٹ دینگی۔ آہ وہ رخسار کہ گویا سنگ مرمر [illegible] پر ظریف ذلت کے قعر ذلت میں پھینک دینگے، پیارے نیاز، اصغر بھاگ ان مصیبتوں

بھاگ آ۔ آ۔ آ پیارے نیاز اصغر آ میں تری روح کی تعلق جو قریب معصیت سے چور ہوچکی ہے اپنے موم مرغولہ کی شمیم سونگھا کر تازہ کردوں۔

آ پیارے آ تیرا دل زہر بجھے خنجر سے زخمی ہوگیا ہے۔ تبسیم اپنی مقدس نرگسیوں میں مجھے شراب محبت پلاکر حقیقی خوشی و مسرت عطا کرے۔ آ۔ اور میرے متاع حیا سے محروم طبقہ میں انجمن جانا دوست نیاز اصغر آ۔ تجھے اس شعر کے عیوض کہ

ناز سے عشوہ سے غمزہ سے لگا لیتے ہیں
وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

دوسرا مضمون محبت سناؤں۔ پڑھ۔

دل می بُرد از نا چہ صباحت چہ ملاحت
در عشق نہ در نیم سیاہی و سپیدی

ان خلش و آزار بھری تنہائیوں میں۔ آہ کوئی نہیں وہ جو میرے غم و بے چینی کا شریک ہو اب شب غم تو ہی بتا میں کیا کروں؟ چپ رہوں یا کہ کس کو خبر ہے، عورت جب مغموم و خاموش ہوتی ہے تو اُسکا ان کیا سونچا کرتا ہے؟

(۳)

بتوں کی دید کو جاتا ہوں۔ ڈیر میں قایم!
مجھے کچھ اور ارادہ نہیں۔ خدا نہ کرے!

ہماری تسلیم ہو خوب ہوں نے تمہارے کان بھر دیے میں اتنا خراب ہو۔ ۔ ۔ ہو۔ بیشتر یقین کیجئے! نیاز اصغر تمہارا ہے اور محض تمہارا! میں نے بار ہا پا کیا یہ الفاظ تمہارے منہ سے نکلے ہوئے ہیں جبکہ

خیالات میں ابھی کشمکش تھی اور ذہن میں بیداد گری کے لئے تصفیہ نہ ہوا! میرے اظہار اضطراب و منت پر کچھ جھنجلاہٹ اور کچھ پیار بھرے لہجہ سے تم نے ہاں تم نے یہہ کہا تھا! آج بھی گذارش درد اور التجا کے رحم پر یہہ تمکنانہ جواب ہے!۔

بتوں کی دید کو جاتا ہوں، دیر میں — سمجھے کچھ اور ارادہ ہی؟ خدا نہ کرے!

خدا کرے، یا نہ کرے میری یہ تمنا نہیں میں خدا ہی جانے تمسے اور کیوں صرف تمسے اپنے زخموں پر نمک پاشی کی ہی خواہشمند ہوں! میں کب کہتی ہوں بیداد نہیں، مہر ہی کیجئے۔ میں نہیں چاہتی وفا۔ آپ جفائیں ہی کیجئے۔ اے للہ مگر صرف مجھپر اور میرے دلپر ستم ڈھائیے: سب مجھے سوز دورنگی سے بچالو!۔

تم اپنی الفت کے نیم جذبات محبت سے آگاہ ہو لو۔ وہ ایک شریف عورت ہے جسکو خدا نے محبت کرنے کا سلیقہ اور وفا کا وافر حصہ عطا فرمایا۔

آہ لوگ کہتے ہیں، اور سچ کہتے ہیں کہ عشق اک مصیبت ہے! اور محبت بلائے بے درماں۔

لیکن ہائے میں تو ان باتوں سے بھی متفق نہیں سب کچھ سمجھتی بوجھتی ہوں مگر دل آفت پسند کو جب ٹٹولا تو نتیجہ ان مصیبتوں کو سہنے رہنے اور سہہ سہنے کو فخر محبت جانتی ہے، اور ان بلاؤں میں گھر جانے، اور ان تکلیفوں کو گوارا کر لینے پر رضامند پائی جائیگی! کوئی دلیل نہیں مگر دل ان زخموں سے چور رہنا پسند کرتا ہے۔ کوئی سند نہیں پھر بھی تجات ان خلشوں میں الجھا ہوا خیال آ[illegible]ہے۔

تنبیہ: یہ تحریر [illegible] محبت [illegible] عالم النسا بنت [illegible]

انسان کے مقدس ترین جذبات، اور فطرت بشری کی تمام قابل فطرت خواہشات کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جس کے دائرہ سے [illegible] سے باہر نہیں ہیں۔

محبت اور درد آشنا دل ہی اس لذت سے کچھ خوب واقف ہو گا کہ محبت جب کسی محبت بھرے منصوبے کے لئے خود کو منزل شفقت و کلفت میں ڈالتی ہے، تو اُوس کا منتہائے مقصد [illegible] مدعائے دلی، اور مطمح نظر کیا ہوتا ہے؟

آہ بس اک محبت پاش جنبش نگاہ، ایک مستقر محبت، اور حقیقی محبت کی تلاش۔ اچھا کیا دنیا میں کوئی ایسا نفع ہے جو بلا دغدغہ زیان ہمیں نصیب ہو سکے؟ یقیناً نہیں ہیں تو زیان، نفع کی امید ہے، اور نقصانات، سود کی توقع! پہلے میر اُٹھنا۔ پہلے تنمیر کا برباد ہونا۔ ویسے ہے ذوق غالب کی اور بیہ زیاں کا۔ یہ سود فراموشی حضور عشق میں مقبول ہوگی اور حسن مجاز کے صلے میں خلعت محبت ہوتا ہے۔

ارض عشق نفع سود کی زراعت کا نہیں ہے۔ خاک محبت ہی تو نقصہ و زیان کے ہی بیج بوئے ہیں یہاں کے ثمر شیریں نہیں تلخ [illegible] لذت میں جو دل محبت چشیدہ کے لئے ہیں۔

یہی پامالیاں ہیں جو شادابِ منظری جذبات محبت میں پیدا کرتی ہیں۔ یہی وہ ٹھوکریں ہیں جو استقامت و استحکام کا درس ادا [illegible] کی جاتی ہیں، یہی ہیں وہ ناکامیاں جو کامرانی کا پیام دیں لاتی ہیں۔

آہ — میں کہاں سے کہاں نکل آئی، دل بیتاب کو کہاں تک بہلاؤں گی۔ نا ذہنیت سے [illegible] اور [illegible] نیاز [illegible] بستہ ہم تو اس طرح ہی چکی۔

کم ہیں وہ مایوسیاں جن کی تاریکی میں طلوعِ صبحِ اُمید کی توقع ہو۔ آہ زیادہ غمگین، افسردہ، میں غربت و حسرت کی وہ خون آشام شامیں جن میں سلسلۂ تخیل کا مرانی درہم برہم ہو کر مجھے دوسرے عالم کی ٹھوکریں کھانے کو چھوڑ دیتا ہے!

اِس محبت آباد، اِس معمورۂ عشق میں کیا تسنیم ہی سے وہ جو زخمِ فراق سے چور بسترِ غم پر کروٹیں لے؟ میری درد بھری چیخیں، اور اضطراب بھری کراہٹیں۔ اور موت و ہلاکت آمیز خون باریاں۔ بیکار گئیں؟

کیا اس بیداد آباد ارضی میں جہاں محبت فروشیاں کی جاتی ہیں۔ جہاں دھوکے اور فریب سے راستے وفا کو زخمی کیا جاتا ہو، جہاں تلاشِ سود و عشق کی کشمکش نے اِک شورش بھی بپا کر رکھی ہو،

ہے کوئی، ۔امعۂ عبرت اور گوشِ سماعت، جو رات کے سکوتِ روحانی، اور اس پچھلے پہر کی خاموش فضا، لاتی ہیں، اِک ملکوتی برق پاش ہستی کی اُک شعلۂ محبت قدسی کی صدائے زخمی و مجبور سُنے؟ اور نہ ہے پوچھے اِن تنہا سے جینیوں کو میں کیونکر گذارتی ہوں۔ اور مغموم بیٹھی کیا کرتی ہوں؟

(۴)

ہاں۔۔۔ ۔۔۔ اوس وقت میں کیا کرتی ہوں؟

آ۔آ او بیدرد شاعر کی روح آ۔ میں تجھکو سناؤں، میں تجھ کو بتاؤں کہ تنہا و طویل راتوں کو، اون مسلسل بیداریوں جبکہ ملکۂ خواب سارے عالم کو اپنی ترنم ریز لوریاں سُنا سُنا کر اپنی حسین و حنائی انگلیوں سے تھپک تھپک کر اپنے گیسوئے عنبریں کی شمیم سونگھا سونگھا کر، سلا دیتی ہے: ———

——— اسوقت میں کیا کیا کرتی ہوں؟

ساکن و معصوم رات کے اوس پچھلے حصہ میں جبکہ دربار تخیل کی اضطراب نوازیاں خاص ہوتی ہیں۔ تو اک آرزو، گویا، اور میں اک مدعائے خموش بنے بیٹھے ہوتے ہیں! آہ جبکہ تو حسن و عشق کی کہانیوں اور راہ طرازیوں میں محو ہوتا ہے۔ آہ جبکہ تو ادہام تخیل، اور ابہام مدعا میں گم ہوتا ہے ہاں جبکہ تو تصنع و مبالغہ آمیزی اور تنوعاتِ سطحی کو سونچتا ہے، جبکہ تو رعایت لفظی اور عبارت آرائی، اور تجنیس کے گورکھ دھندے بناتا ہو۔

مجھ سے پوچھ اوس گھڑی میں کیا کرتی ہوں؟

بس زلفوں کی تاریکی آئینہ پیشانی۔ شمشیر ابرو۔ چشم بیمار، فتنہ مژگانی، تابانی دنداں چاہِ زنخداں، خدا جانے کیا کیا، ان کو لکھ چکا اب میرا میرے جذبات کا ماجرا لکھ۔ میری آشفتہ سری کو لکھ، میری مجبوریاں دیکھ " لکھ۔ اگرچہ ابتک نہ لکھا نہ سہی۔

عورت کو جب محبت ہو جاتی ہے تو اک آتشِ قیامت ہے، جو وہ پہلو میں چھپائے پھرتی ہے عورت اک زندہ سبق ہے محبت کا، پڑھنے والے کم ہیں۔ پڑھ اِس درس محبت کو پڑھ۔ نکاتِ عشق، اگر حل ہو سکتے ہیں تو فقط اسی مکتبِ ادب میں! ——

محبت و پیار کے وہ میٹھے چشمے جو حیات انسانی کے لئے آبِ حیات ہیں وہ اسی کے اندر سے نکلتے ہیں ——

خوشنما پھول اکثر خوشبودار نہیں ہوتے۔ مگر اُسکا رو ئے خنداں شگفتہ پھول ہے پھر بوئے وفا، سے معطر بھی! ——

کاشانہ عشق کی نیرنگنیاں اسی شمعِ جمال افروز سے ہیں۔ —— عالمِ خیالستان کی رونق و فزا اسی تنہا ملکہ کی حکمرانی میں ہے!

ہاں پھر کہانتک لکھاؤں سکھتے جا ـــــ محبت۔ رحم۔ آنسو۔
آنسو۔ رحم۔ محبت۔ یہہ ساری تکرار مجھے پسند ہے اس لئے
کہ اس سے عورت ہی کی تعبیر کی جاتی ہے،

لکھ۔ نکہت۔ لطافت۔ جوہر رنگ۔ پھر لکھ اس لئے کہ اس کا پتہ
مجھ سے ہی ملیگا،

لکھ معنی۔ انکشاف روح، مدعائے روان۔ انکو بوجھ، انکی شرح کو
تجھے دنیا والے کیا سے کیا سمجھنے لگیں گے تو پھر شاعر ہو جائیگا!

لکھ شراب۔ بے چینی۔ خواب۔ تو خود سارے مضمون مہل سمجھیگا
آہ پھر جو تھک جائے تو بحث کی خاتمہ پر لکھ دے اس سے زیادہ زور
عبارت میں پیدا نہ ہو سکیگا۔

درس وفا۔ تعلیم محبت

عورت ـــــــــ عورت

خلیقی دہلوی

مری داستان غم کو وہ غلط سمجھ رہے ہیں — کچھ انہی کی بات بنتی اگر اعتبار ہوتا
کوئی بات ہے جو دل میں ترا تیر جم کے بیٹھا — نہیں تو ذرا سی جنبش میں جگر کے پار ہوتا
وہ حکایتیں جوانی کی میں سن رہا ہوں دل سے — جنھیں اور کوئی کہتا تو نہ اعتبار ہوتا

تجھے اور وں کی خاطر چھوڑ جاتا ہوں لیے عبرت — سر کعبہ آنے والوں کو مرا قصہ سنا دینا
بھری تھیں سرد آہیں دستوں نے مجھکو غش پاکے — مناسب تھا تمھیں بھی اپنے دامن کی ہوا دینا

مرا دل محرم اسرار حسن و عشق تھا ثاقب
قریب مصلحت تھا مجھکو دیوانہ بنا دینا

[illegible]

گرہ دار چھڑی

ایک نے پوچھا ازراہِ التفات — آپ کے دستِ مبارک میں چھڑی
کیوں ہے کیا مطلب ہے کچھ فرمایئے — اس میں گرہیں کیوں ہیں اتنی آپڑی
اوّلاً میں نے کہا میں پیر ہوں — ہے عصائے پیری یہ میری چھڑی
یہ چھڑی تکیہ سہارا ہے مرا — قد میں چھوٹی اور کار آمد بڑی
بولے تکیہ چاہیے اللہ پر — تکیہ اس ناچیز کا کیا ہے گھڑی
مدعا یہ تھا کہ ہیں صوفی منش — ہے چڑھی سر پہ گٹے اوڑھے کی ہر گھڑی
الحق الحق یوں ہی ہے میں نے کہا — لیکن اے حضرت یہ منزل ہے کڑی
تکیہ گاہِ دل ہے وہ ربِّ غفور — ہات کا تکیہ سہارا ہے چھڑی
ثانیاً کتے یہاں ہیں بے شمار — اس سے گرماتی ہے ان کی کھوپڑی
مدعا یہ تھا کہ بس چپ بھی رہو — تم کو کیا اتنی چھڑی کی ہے پڑی
اپنے حملے سے نہ باز آئے مگر — دانت کھٹے تھے زباں ہی چل پڑی
ہنس کے بولے مگر دب کر ذرا — زینۂ دوزخ[1] ہے ملٹن کی چھڑی
ان گرہوں کا نہیں ہوتا جواب — اس میں حضرت کی طبیعت کیا اڑی
عاجز آ کر یوں کیا میں نے خطاب — یہ نکالی بھی تو کب کی گڑی
دوزخی کو زینۂ دوزخ ہے شرط — کیوں بہشتی [illegible] مٹی
[illegible] ہمراہ ہمدم [illegible] — ہے رفیق و مونس و رہبر چھڑی
دیکھئے گر اس کی گرہوں پر نظر — دل کی گرہوں کی ہے گویا پھلجھڑی

[1] ملٹن نے [illegible] کہا ہے [illegible]

ہے سراپا دیدۂ عبرت نگر
آنکھیں ہی آنکھیں ہیں سرتاسر اڑی

آرزو کی شاخ بے نشو و نما
مُشتِ حسرت ہے سراپا یہ چھڑی

سُن کے یہ تو جب کچھ راضی ہوئے
رُوحِ انشا بھی پکاری واچھڑی

دیکھتے جاتے بھی تھے میری طرف
تھیں نگاہیں بھی نگاہوں سے لڑی

سر کھلا تھا اتفاقاً آپ کا
ایک[51] چڑکی بھی فقط پیچھے پڑی

میں نے پوچھا اگر اجازت ہو جناب
وہ گرہ کھولوں جو دل میں ہے پڑی

ایک چٹکی یہ لگا رکھی ہے کیوں
اس میں ہے کیا مصلحت ایسی بڑی

سٹپٹائے سُن کے یہ میرا سوال
رہ گئے منہ دیکھ کچھ ایسی پڑی

جب نہ بات آئی کوئی معقول بات
اک سوسائٹی[52] کی تھپائی چھوڑی

اُس میں دیکھی نہ جب جائے پناہ
دل میں پیدا ہوئی اک ہڑبڑی

کیا بتانے سے کوئی بگڑی بنے
دے صدا کیا جانے بھولی لومڑی

ایک اشارہ کرکے اوپر کی طرف
بولے اس سے یاد اُس کی ہے گھڑی

لیکن اپنے شفق ومیں میں نے کہا
یادِ حق کی قدر کی تم نے بڑی

کیوں پسِ پشت اس کو ڈالا ہے تو
کس لئے آگے سے پیچھے جا پڑی

سُن کے یہ کچھ ایسے کھوئے سے گئے
یوں نہ بھولا ہو ہرن کی چوکڑی

دیکھ کر یہ حال دل میں تھا کہ بس
رکھ ہی دوں اک پُشت کا[53] پر چھڑی

غل ہوا آزاد ہاں ہاں کیا مجال
شیر سے آنکھیں لڑائے لومڑی[54]

---

[51] چڑکی۔ سر کی بھونری کے بال جن کی لٹ بڑھانے اور ہلکی سی گرہ ڈال کر پیچھے چھوڑ دیتے ہیں ۱۲
[52] سوسائٹی کی تقلید کا عذر کیا۔ لیکن اندھی تقلید کو پھر چڑھی ہی ضرورت تھی۔ بھاگتے بنی۔
[53] کافریباں اک پیار کا خطاب ہے [54] لومڑی صرف برعایت قافیہ اور اسی کی رعایت کیلئے دیتر شیر نہ لومڑی صرف چند پیسے برائے یادگار ہیں۔ باقی ہوس آزاد ۱۲

مبارک ہو

اُمہات الامۃ

مؤلفہ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم مغفور جو بعض کوتاہ بیں علماء کی تعصب
سے دنیا سے نابود ہو چکی تھی اور جسکے مطالعہ کا شوق لوگوں کو مضطرب کیے ہوئے تھا
تنگ آ کر ایک جانباز نے دو سو روپیہ شائقین قیمت دیکر کتاب حاصل کی جو اب اس کا حصہ
اول طبع ہو کر غیر مسلم اقوام کو مفت تقسیم ہو رہا ہے چونکہ اسکی اشاعت کی غرض
زیادہ تر یہ ہے کہ وہ غیر مسلم اقوام میں بکثرت تقسیم ہو تاکہ تعداد ازدواج رسول
متعلق جو اعتراضات ہیں انکی اصلاح ہو اور اسلام کی حقانیت انکی ذہن
نشین ہو اسلیے مسلمانوں سے توقع کیگئی ہے کہ وہ اسکو خرید کر اس کے حصہ
ترجمہ انگریزی کو مدد دیں تاکہ وہ بھی چھپکر بکثرت تقسیم ہو سکے کتاب کی
نسبت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں صرف مولانا کی مرحوم
کا نام کافی ہے اردو کتاب جو چھپ چکی ہے حصہ دوم زیر اہتمام ہے اور ترجمہ ڈاکٹر
صاحب کے ہاتھوں میں اب یہ مسلمانوں کے اختیار میں ہے
کہ جس قدر چاہیں جلد ہو سکتی ہے قیمت بارہ آنہ (۱۲/)
منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے

نمبر ۶ نوٹ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری ۱۹۱۵ء کی خوبصورت تیار ہوئی ہے وہ شریف پڑھے لکھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری بذا بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

طاقت بڑھانیوالا پھل

مولانا نگمہ افریقہ کا ایک نہایت قوت دینے والا پھل ہے نہایت خوشگوار ذائقہ کیوجہ سے اگر وہ بیماری و ناتوانی آب و ہوا کے سبب سے لاغر ہو گیا ہو تو اسکو استعمال کیجیے نئی طاقت پیدا ہوتی ہے یہ دم کو بڑھاتا ہے اس لیے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی کشتی کسرت گانا پڑھنا پڑھانا وغیرہ کاموں میں پہلے اسکو استعمال کرنے سے دم نہیں پھولتا۔ بول دل۔ وشہر کن کو روکتا ہے اسکو کھانا ہے اسکو پی لیجیے نقصان نہیں ہو گا یہ شراب اور افیون کی علت کو چھوڑاتا ہے مفصل حالات فہرست بلا قیمت منگا کر دیکھئے قیمت ۲ روپیہ ۴ کی شیشی ایک روپیہ محصول ۵

اصلی پیپرمنٹ کا تیل

پیپرمنٹ کا تیل بدہضمی اور پیٹ کے فساد کے لیے ایک بہت ہی مشہور دوا ہے یہ پیپرمنٹ کمپنی کا تیل بہت ہی مفید ہے۔ اسی پیپرمنٹ میں تھوڑا تیل ملا کر ایک کی تین تین شیشیاں بنا کر لوگ بازار میں چار آنہ اور چھ چھ آنہ پر بیچتے ہیں قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ فی شیشی درجن ۱ آنہ اور محصول ڈاک ۱ یک شیشی سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵

او دیات ہر جگہ دوا کا ندا روں اور دوا فروشوں سے مل سکتی۔ ورنہ کارخانہ سے طلب کیجیے

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

سوا اور سب بیماریوں کے اس خوفناک سبب سے کہ ایک چمک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجہ ظلم سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں ویران ہو گئے شہر کے شہر تباہ ہو گئے اسوجہ سے اس کا نام ہی سنکر دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہونیکے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے لیکن بنظر حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ کی دوائی گولیاں منگوا کر ضرور رکھیں۔ اس گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے نہیں بچتے اور نہ انکا زہر اثر کر سکتا۔ وقت بے وقت گولیوں کی استعمال سے ہم لوگ پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں آپ بھی غافل نہیں رہیں ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی کیساتھ کھا لیا کریں بچوں کو نصف یا چوتھائی قیمت ۳۲ گولیوں کی ڈبیہ ۱ روپیہ ۶۴ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲ محصول ڈاک ایک سے چھ ڈبیہ ۵

وقت پر صلاح

جو دوست سمجھتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کے لیے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں ڈاکٹر ایس کے برمن کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آ گیا ہے۔ اس موسم میں کبھانے پینے کی بے احتیاطی کے باعث ہیضہ ہونیکا خوف رہتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ابھی سے اصلی عرق کافور منگوا کر اپنے گھر میں ڈال رکھیں تا کہ اپنی یا پڑوسیوں کی وقت پر حفاظت ہو سکے۔ یہ اصلی عرق کافور عرصہ تیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے عرق گرمی کے دست بیضہ درد وغیرہ کیلیے اکسیر کا حکم

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ